ماہنامہ

جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Monthly JEHD-E-HAQ - February 2016 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 23...... شمارہ نمبر 2 ......فروری2016..... قیمت 5روپے

'ترقی کی راہ پر گامزن' ---؟

ایچ آر سی پی نے سندھ کے مختلف اضلاع میں ''پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی کارکردگی کا جائزہ'' کے عنوان سے مشاورتی تقاریب کا اہتمام کیا

21 جنوری 2016، لاہور: بین المسالک کشیدگی پر ذرائع ابلاغ کا ردّعمل

18 دسمبر 2015، ملتان: ''قانون ساز اداروں کی کارکردگی'' کے جائزے کے کام میں شہریوں کی شراکت کے حوالے سے سیمینارز کا اہتمام کیا گیا

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا
جو خامیاں/ کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔
- ہر شمارہ کی قیمت مبلغ =/5 روپیہ ہے
- سالانہ خریداروں کے لیے =/50 روپیہ ایسے خریدار پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (Human Rights Commission of Pakistan) کے نام صرف =/Rs.50 کا منی آرڈر یا ڈرافٹ (چیک قبول نہیں کیا جائے گا) ہمارے ہیڈ آفس کے پتہ پر روانہ کریں۔ پتہ یہ ہے:

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،
نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے اب ویب سائٹ پر بھی موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

''انتہا پسندی کے خاتمے کیلئے انسانیت دوست اقدار کا فروغ''

کے حوالے سے ننگر پارکر، کراچی ویسٹ، اور ماڑا، جیونی اور ملیر میں دوروزہ تربیتی ورکشاپس کا انعقاد کیا گیا

ننگر پارکر: 08-09 دسمبر 2015

کراچی ویسٹ: 14-15 دسمبر 2015

اور ماڑا: 17-18 دسمبر 2015

جیونی: 19-20 دسمبر 2015

ملیر: 28-29 نومبر 2015

فہرست

ایچ آر سی پی کی جاری کردہ پریس ریلیزیں	5
فتح پور: فرقہ پرستی کی فضا مختلف کیسے	6
وزیراعظم کو یاددہانی	7
اقتصادی راہداری میں گلگت بلتستان کے لئے کوئی جگہ نہیں	8
اقلیتیں	10
قدامت پسند ملاؤں کے فرمانبردار	11
پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی کارکردگی پر مشاورت کا اہتمام	12
وادی لاس پور میں ہونے والے نقصانات	15
لاہور اورنج لائن میٹرو ٹرین: مسائل، خدشات اور تجاویز	17
پٹھان کوٹ واقعہ کے بعد	21
برداشت اور امن کے فروغ میں مقامی فنکاروں کا کردار	23
کاری، کاروکہہ کر مار ڈالا	26
عورتیں	27
قانون نافذ کرنے والے ادارے	28
صحت	30
بچے	31
انتہا پسندی کی روک تھام اور رواداری کے فروغ کے لیے منعقدہ تربیتی ورکشاپس کی رپورٹس	33
خودکشی کے واقعات	46
جنسی تشدد کے واقعات	49
جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط	52

قانون دانوں کا بچیوں کے حقوق کے تحفظ سے دستبردار ہونا افسوسناک ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے مذہبی امور کی جانب سے لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی شادی کی عمر کو اٹھارہ سال تک بڑھانے کی تجویز مسترد کئے جانے پر مایوسی اور تشویش کا اظہار کیا ہے۔ کمیٹی کے متعدد اراکین نے اسے ''غیر اسلامی'' قرار دیا ہے۔

جمعہ کو جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا: ''سول سوسائٹی اور باشعور شہریوں کی طرح پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) بھی اس بات پر غم زدہ ہے کہ جمعرات کو قائمہ کمیٹی برائے مذہبی امور نے بچیوں کی شادی سے متعلق کم عمری کی شادی کے ایکٹ 1929ء میں مجوزہ ترامیم کو مسترد کر دیا اور محض چند قانون دانوں نے ہی بچیوں کے حقوق کی حمایت کی۔

قائمہ کمیٹی کے رویے پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے جنہوں نے اسلامی نظریاتی کونسل (سی آئی آئی) کے آگے گھٹنے ٹیک دیے۔ وہ رجعت پسندی کو تحفظ دینے کے سی آئی آئی سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 1929ء کے قانون کے ذریعے قائداعظم نے مسلمان لڑکیوں کی شادی کی کم از کم عمر مقرر کروانے کے لئے جو جدوجہد کی تھی وہ ان لوگوں کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی جو قائد کے نظریے کے وارث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اس اقدام سے انسانی حقوق کے ان اہم معاہدات پر پاکستان کے موقف کو بھی ٹھیس پہنچی ہے جن کا پاکستان فریق ہے جو مردوں، عورتوں اور بچوں کے حقوق اور شادی کے معاملے میں مساوی حقوق پر زور دیتے ہیں۔

قائمہ کمیٹی کے فیصلے سے پاکستان کی خواتین اور ان کے انصاف پسند حامیوں کو صرف یہ پیغام ہی ملنا چاہئے کہ وہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں اور سندھ کی مثال کو اپنے لئے نمونہ بنائیں جس نے قانون کے ذریعے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لئے شادی کی کم از کم عمر 18 برس مقرر کی تھی۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 15 جنوری 2016]

نیشنل ایکشن پلان پر نظرثانی کی جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے چارسدہ میں دہشت گردوں کے حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ دہشت گردوں کے خلاف جاری آپریشن پر نظرثانی کی جائے اور نیشنل ایکشن پلان، خاص طور پر دہشت گرد گروہوں کو تربیت اور معاونت فراہم کرنے والے مراکز اور تنظیموں کے خلاف کاروائی سے متعلق ایجنڈے پر سختی سے عمل درآمد کیا جائے۔ آج جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا:

''پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) چارسدہ میں باچا خان یونیورسٹی پر دہشت گردوں کے حملے پر قوم کے غم میں برابر کا شریک ہے اور جاں بحق ہونے والے 20 معصوم افراد کے خاندانوں سے تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔ ان میں سے 18 نوجوان طالب علم تھے جنہیں حملہ آوروں نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ اس واقعے کی کئی وجوہات کی بنا پر شدید مذمت کی جانی چاہئے۔ پہلی یہ کہ پشاور میں آرمی پبلک اسکول پر حملے کی طرح دہشت گردوں نے ایک مرتبہ پھر طلباء کو نشانہ بنایا جو پاکستان کا مستقبل ہیں، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پاکستان کے کتنے بڑے دشمن ہیں۔ دوسری یہ کہ چند ہفتوں کے دوران یہ دہشت گردی کا تیسرا بڑا واقعہ ہے اور اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ دہشت گرد اب بھی جہاں چاہیں آزادانہ طور پر حملہ کر سکتے ہیں۔ اور تیسری یہ کہ اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ یہ واقعہ اس جنگ کا تسلسل ہے جو دہشت گرد عوامی نیشنل پارٹی (اے این پی) کے خلاف ان کی قوم پرست، سیکولر اور انتہا پسندی مخالف پالیسیوں کی بنا پر جاری رکھے ہوئے ہیں، جس کے نتیجے میں یہ اپنے سینکڑوں کارکنوں اور حامیوں سے محروم ہو چکی ہے۔

اگر دہشت گردی کی حالیہ لہر سے سبق حاصل نہ کیا گیا تو پاکستان کو اس سے زیادہ خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ امر دیگر سیاسی جماعتوں کے لیے باعث اطمینان نہیں ہونا چاہیے کہ اے این پی انتہا پسندوں کے حملوں کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ ان کی باری بھی آ سکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ توقع سے زیادہ جلد آ جائے۔ چنانچہ تمام جماعتوں کو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کھلے دل سے شریک ہونا چاہئے۔ خاص طور پر کے پی کی حکومت کو چاہیے کہ وہ انتہا پسندوں کو دودھ اور شہد کی پیشکش کے ذریعے تشدد سے باز رکھنے کی پالیسی پر نظرثانی کرے۔ دوئم، تعلیمی اداروں کو فوجی چھاؤنیوں میں تبدیل کرنے کی بجائے خطرات کے اسباب کو ہدف بنانے پر غور کیا جائے۔ اگرچہ چارسدہ حملے پر سکیورٹی فورسز کا فوری ردعمل حوصلہ افزا ہے، دہشت گردوں کے خلاف فوجی آپریشن پر سنجیدہ نظرثانی کو ملتوی نہیں کیا جا سکتا۔ اس موضوع پر سینٹ کی قرارداد سے یہ حقیقت اور بھی زیادہ واضح ہو گئی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نیشنل ایکشن پلان اس وقت تک مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکتا جب تک دہشت گردوں کو تربیت دینے اور ان کی معاونت کرنے والے اداروں اور گروہوں کے خلاف کارروائی نہیں کی جاتی۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 21 جنوری 2016]

فتح پور: فرقہ پرستی کی فضا مختلف کیسے

وقار مصطفیٰ

فتح پور فتح پور کا یہ قبرستان پہلی نظر میں ایک عام سا قبرستان ہی دکھائی دیتا ہے۔ کچھ قبریں کتبوں کے ساتھ ہیں اور کئی بے نام۔ شہر خموشاں کے ان باسیوں میں مذہب اسلام کے ماننے والے بھی ہیں اور مسیحی بھی۔ پاکستانی صوبے پنجاب کے دارالحکومت لاہور سے جنوب میں شہر قصور سے پہلوتہی کرتی جنوبی سڑک دیپال پور کی جانب جائیں تو اکہتر کلومیٹر پر ایک تختی فتح پور نامی مسلم اکثریتی گاؤں کا اشارہ دیتی ہے۔ چار ہزار آبادی کے اس گاؤں میں 78 فیصد مسلمان بستے ہیں، جو زمین دار ہیں باقی مسیحی ہیں، جو ان زمینوں پر کام کرتے ہیں۔ یہاں مسلمان اور مسیحی انتقال کر جانے والے افراد کی ایک ہی جگہ آخری رسومات ادا کرتے اور انہیں دفن بھی مشترکہ قبرستان میں کیا جاتا ہے۔ ایک بار تو ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی وقت میں مسلمان اور مسیحی جنازے دفنانے کو لائے گئے ''باہمی رضامندی سے ہم نے مسلمانوں سے کہا کہ ان کی نماز جنازہ مختصر ہے سو وہ پہلے ادا کر لیں، ہماری رسومات میں زیادہ وقت لگتا ہے، ہم بعد میں ادا کر لیں گے۔'' یہ کہنا ہے برکت جمشید کا، جو فتح پور میں سینٹ جیمز چرچ کے پہلو میں اسی نام سے ایک سکول چلاتے ہیں۔ چرچ اور سکول دو کنال سے زائد زمین پر تعمیر کیے گئے ہیں، جو اس گاؤں کے مالک مسلم خاندان کے ایک زمین دار نے انیس سو اکتیس میں عطیہ کی تھی۔ اسی خاندان کے بزرگ فتح خان کے نام پر ہی یہ گاؤں ہے۔ جمشید کے مطابق مسیحیوں کو پانچ پانچ مرلے کے ان گھروں کی ملکیت بھی دی گئی ہے جن میں وہ رہتے ہیں۔ ملک اصغر عظیم خان اسی مسلم خاندان کے فرد ہیں۔ پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ہیں مگر سماجی خدمت کرتے ہیں۔ غریب افراد کو صحت کی سہولیات بہم پہنچاتے ہیں یا ان تک رسائی میں سہولت کار بنتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ فیس نہیں لیتے اور نہ ہی ان کا خاندان انہیں ایسا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ ''کئی نسلوں سے ہمارا رہن سہن اکٹھا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے مسیحیوں کو رہنے کے لیے زمین دی۔ ہم مل کر ایک دوسرے کے کام آتے رہے ہیں۔ میرے والد صاحب نمبر دار تھے۔ انہوں نے بھی ہمیں بتایا کہ یہ مسیحیوں کا حق ہے۔ ہماری قبروں کے درمیان بھی کوئی دیوار نہیں۔ ہماری کوشش اور ہماری دعا ہے کہ ہم اور ہمارے آنے والی نسلیں اکٹھے ہی رہیں۔'' وہ باریش ہیں اور گاؤں کی مسجد میں وعظ کے علاوہ جمعے کا خطبہ بھی دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اقلیتوں کے حقوق ان کو ملنے چاہییں۔ ''یہ بھی اللہ کے ایک نبی کے ماننے والے ہیں، ہمارا مذہب بھی ان پر ایمان کی تلقین کرتا ہے۔ اس لیے ان کا احترام ہم پر لازم ہے۔'' ملک اصغر کے مطابق اگر گاؤں کے مسیحیوں کے درمیان بھی کوئی اختلاف ہوتا ہے تو وہ ان کی اجازت سے اسے دور کرتے ہیں۔ انہی کے ایک رشتے دار خضر اکبر خان کا کہنا ہے کہ یہ ساجھے داری صرف قبرستان ہی میں نہیں بلکہ عام زندگی میں بھی ہے۔ مرگ پر افسوس کا اظہار، بیاہ شادی، عید، کرسمس پر مبارک۔ ہم نے تو فرق رکھا ہی نہیں۔ گاؤں کے چرچ کے پاسٹر ہدایت انجم ان کی بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ ''ہم یہاں ایسے رہ رہے ہیں جیسے ایک ہی خاندان ہو، نہ کوئی لڑائی نہ کوئی جھگڑا۔ تہواروں پر ایک دوسرے کو تحفے دیتے ہیں، دعوت کھلاتے ہیں۔'' پوچھا گیا کہ کبھی قبرستان جدا کرنے کا خیال نہیں آیا؟ تو ان کا کہنا تھا ''ہمارا کھانا پینا اکٹھا ہے تو ہمارا مرنا بھی اکٹھا رہ سکتا ہے۔'' چرچ اور سکول دو کنال سے زائد زمین پر تعمیر کیے گئے ہیں، جو اس گاؤں کے مالک مسلم خاندان کے ایک زمین دار نے انیس سو اکتیس میں عطیہ کی تھی۔ پچاس سالہ انور مسیح کی پیدائش اسی گاؤں میں ہوئی تھی اور وہ ابھی بھی یہیں رہتے ہیں۔ وہ اسی گاؤں کے ایک کھیت میں مزدوری کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مزدوری جبری نہیں۔ کیوں کہ برکت جمشید کی طرح کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہیں اور کام کرتے ہیں۔ گاؤں کا سکول برکت جمشید کی کوششوں کا ثمر ہے۔ گئے دنوں میں وہ بھٹوں پر کام کرتے تھے اور بھٹا مزدوروں کی تحریک کے متحرک کارکن تھے۔ آج کل غیر سرکاری تنظیم پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے کارکن ہیں۔ امجد انجم مسیحی ہیں اور اسی سکول میں پڑھاتے ہیں۔ انہی کے ایک ساتھی استاد مسلمان ہیں۔ سکول کے کل ایک سو بیس طلبا و طالبات دونوں مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر امجد انجم کے مطابق یہ چیزیں کسی قسم کے امتیاز کا باعث نہیں بنتیں۔ ''اکٹھے پڑھتے ہیں، لنچ اکٹھا کرتے ہیں۔ ایک ہی جگہ سے پانی پیتے ہیں اور اکٹھے کھیلتے ہیں۔'' یہ بات حوصلہ افزا ہے حسین نقی کے لیے۔ وہ جوائنٹ ڈائریکٹر ہیں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے جو ایسے امتیازات کے خاتمے کے لیے کوشاں ایک تنظیم ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ضلع قصور کے اس گاؤں میں ایسا بھائی چارا ہو سکتا ہے تو یہ ملک میں ہر جگہ ممکن ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈی ڈبلیو)

مذہبی انتہا پسندی اور سندھ

حیدرآباد پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق ایچ آر سی پی نے ادارہ استحکام شرکتی کی ترقی (ایس پی او) کے تعاون سے ''مذہبی انتہا پسندی اور سندھ'' کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد کیا جس میں میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے شرکت کی۔ معروف دفائی تجزیہ نگار ڈاکٹر عائشہ صدیقہ کو خصوصی مقرر کے طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ انہوں نے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انتہا پسند ذہنی رویے کو ختم کرنے کے لیے ایک مضبوط بیانیے کی ضرورت ہے اور یہ درست نہیں کہ مدارس کو مرکزی دھارے میں لایا جا رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا ''مجھے بتایا جاتا ہے کہ ان تنظیموں کو مرکزی دھارے میں لایا جا رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ آپ کو اپنے مرکزی دھارے میں لا رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ماضی میں ملک کے اندر دانستہ طور پر دہشت گردی کے عوامل کو فروغ دیا گیا جس کی وجہ سے ملک کے کونے کونے میں انتہا پسندی پھیلی، ملک میں جہاد کے نام پر ملک مخالف طالبان جیسے گروہوں کو ریاستی مدد حاصل تھی جس کے نتائج پورے ملک نے بھگتے۔ انہوں نے کہا کہ 16 دسمبر 2014ء کے بعد یہ خیال کیا گیا کہ اب ریاست کی سوچ تبدیل ہوگی جس کے بعد نیشنل ایکشن پلان ترتیب دیا گیا لیکن اس پر مکمل طور پر عملدرآمد نہیں کرایا جا سکا، جس کی وجہ سے آج بھی حالات جوں کے توں ہیں۔ نیشنل ایکشن پلان کے تحت مدارس کی رجسٹریشن سمیت دہشت گردی اور شدت پسندی کی وجوہات کے خاتمے پر کام نہیں کیا گیا جبکہ ملک میں کالعدم تنظیمیں تاحال نام تبدیل کر کے کام کر رہی ہیں۔ اس موقع پر ایس ٹی پی کے رہنما رجب میمن، سماجی رہنما مصطفیٰ بلوچ، ڈاکٹر اشوتھاما اور دیگر نے بھی خطاب کیا۔ (انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ

وزیراعظم کو یاددہانی

آئی۔اے۔رحمٰن

سرکار اعلیٰ، کل نیا سال شروع ہورہا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ آپ نئے سال کی رات کے جشن پر یقین رکھتے ہیں، اس لیے آپ اپنی مدت کے دوسرے نصف کے آغاز کے لیے صبح جلدی بیدار ہوں گے، اس امید کے ساتھ کہ آپ اپنی آئینی طور پر مقرر کردہ مدت پوری کرنے کی تیسری کوشش میں کامیاب رہیں گے۔

کل آپ کو ان بے شمار لوگوں کی طرف سے تہنیتی پیغامات موصول ہوں گے جو آپ کے سایہ عاطفت میں ایک اچھی زندگی بسر کررہے ہیں، اور آپ بھی ان متعدد لوگوں کو مبارکباد دیں گے جن کی خوشی آپ کو عزیز ہے۔ کیا ان میں اراکین پارلیمان بھی شامل ہوں گے جن کی خیر خواہی آپ کے لیے آپ کے دیگر تمام ساتھیوں سے زیادہ قابل قدر ہونی چاہئے؟ آپ نے انہیں مصیبت کے وقت یاد کیا تھا مگر وہ اس وقت بھی آپ کی توجہ کے مستحق ہیں جب آپ کے اردگرد لوگ آپ کو کہیں کہ سب اچھا ہے (خواب آور ادویات کے تاجر)۔

میرے پاس آپ کو پارلیمان، آپ کے اقتدار کا واحد ماخذ، کی یاددہانی کرانے کی خاص وجہ ہے، کیونکہ اٹھارہویں ترمیم کو کالعدم کرنے کی سازش تیار ہورہی ہے۔ یہاں اشرافیہ تک رسائی والے ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے ماضی کو واپس لانے کی شدید خواہش رکھتے ہیں جب وہ چار ترقی پذیر دارالخلافوں کا چکر لگانے کی بجائے اسلام آباد میں واقع ایک ہی دفتر سے اپنی حاجات پوری کروالیتے تھے۔ بعض دیگر ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں کہ پارلیمانی نظام کو صدارتی نظام سے بدلنا چاہئے اور اگر کوئی امیرالمومنین کے چوغے میں مل جائے تو پھر تو بہت ہی بہتر ہوگا۔

کئی پاکستانی آپ کو بتائیں گے کہ پاکستان کو ایک وفاق ہونا چاہئے اور اس سے کم کچھ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر کوئی آپ کو دل برداشتہ بنگالیوں، معافی چاہتا ہوں، دلبرداشتہ بلوچوں پر فتح پانے کا کوئی اور راستہ دکھائے تو وہ آپ کا دوست نہیں ہے۔ آپ اپنے کان زمین پر رکھیں تو آپ سندھ میں ناخوشی کی گرج سُنے بغیر نہیں رہ سکیں اور وہ دن دور نہیں ہوسکتا جب پختون، خاص طور پر فاٹا کے لوگ آپ کے اصلاحات بارے کئے گئے وعدوں جن کو پورا نہیں کیا گیا، کے متبادل ذرائع بارے سوچنا شروع کردیں۔ آپ سے پارلیمان میں بیٹھنے اور وفاق کو مضبوط کرنے کے طرائق کار پر غور کرنے کے استدعا ہے۔ ممکن ہے کہ کل آپ جاتی عمرہ میں ہوں، نام جو آپ نے لاہور کے نزدیک اپنے گھر کو اس لیے دیا کیونکہ آپ امرتسر کے نزدیک واقع گاؤں کو اپنی یادداشت سے نہیں نکالنا چاہتے جہاں آپ کے آباؤ اجداد کشمیر میں مصائب سے جان بچا کر رہائش پذیر ہوئے تھے۔ کیا آپ لاکھوں لاہوریوں کا دکھ محسوس کرسکتے ہیں جو کئی اسکیموں کے ہاتھوں اپنا ورثہ (جس پر پوری دنیا فخر کرتی ہے) تباہ ہونے کے خدشے سے تکلیف میں ہیں۔ یہ سب کچھ ترقی کے ناقص تصور کی وجہ سے ہورہا ہے۔ ترقی کا مطلب صرف سڑکوں اور فلائی اوورز کی تعمیر نہیں ہے۔ اس سے مراد انسانی وسائل کی افزائش ہے۔

اس سے پہلے کہ میں آپ سے انسانی سرمائے کے بارے میں کچھ کہوں، آپ کو یہ یاد کرواتا چلوں کہ ہمارے ملک میں اتنے لوگ بیماریوں سے نہیں مرتے جتنے روڈ حادثات میں

ممکن ہے کہ کل آپ جاتی عمرہ میں ہوں، نام جو آپ نے لاہور کے نزدیک اپنے گھر کو اس لیے دیا کیونکہ آپ امرتسر کے نزدیک واقع گاؤں کو اپنی یادداشت سے نہیں نکالنا چاہتے جہاں آپ کے آباؤ اجداد کشمیر میں مصائب سے جان بچا کر رہائش پذیر ہوئے تھے۔ کیا آپ لاکھوں لاہوریوں کا دکھ محسوس کرسکتے ہیں جو کئی اسکیموں کے ہاتھوں اپنا ورثہ (جس پر پوری دنیا فخر کرتی ہے) تباہ ہونے کے خدشے سے تکلیف میں ہیں۔ یہ سب کچھ ترقی کے ناقص تصور کی وجہ سے ہورہا ہے۔ ترقی کا مطلب صرف سڑکوں اور فلائی اوورز کی تعمیر نہیں ہے۔ اس سے مراد انسانی وسائل کی افزائش ہے۔

مارے جاتے ہیں۔ وہ لوگ ماہرینِ جہالت ہیں جو کہتے ہیں کہ مسئلے کا حل سڑکوں کی کشادگی یا سگنل فری روڈ جیسے بچگانا تجربات میں ہے۔ کیا آپ کی کسی یونیورسٹی میں ٹرانسپورٹ، روڈ ٹریفک اور روڈ حادثات میں لگنے والی چوٹوں کے مطالعہ کا کوئی شعبہ ہے؟ اس کے بارے میں مزید جاننا چاہتے ہیں؟ میاں شہباز شریف سے درخواست کریں کہ جب وہ نظام الدین اولیاء کے مزار کے گدی نشینوں کو ملنے جائیں تو راستے میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کے مقام پر ضرور رُکیں۔ تاہم، میرا بنیادی مقصد آپ کو یہ بتانا ہے کہ ترقی کا موجودہ منتر پاکستان کو اُس کے شہریوں کے لیے اس وقت تک خوشیوں بھری سرزمین نہیں بنا سکتا جب تک انہیں استحصال، بیروزگاری، ناخواندگی، بھوک، بیماری اور احتیاج سے نجات نہیں مل جاتی۔ کنکریٹ کے بھونڈے ڈھانچے جو ٹھیکیداروں اور کمیشن ایجنٹوں کے پیٹ بھرنے کے لیے تعمیر کئے جارہے ہیں، غربت میں کمی نہیں لائیں گے اور نہ ہی انتخابات کے وقت جو کہ زیادہ سے زیادہ 29 ماہ دور ہیں، آپ کے ووٹ بینک کا کام دیں گے۔

انسانی ترقی سے میری کیا مراد ہے؟ میرا خیال تھا کہ آپ، یا آپ کے مشیروں میں سے کوئی اس کے متعلق جانتا ہوگا، مگر مجھے کوشش کرنے دیں۔ انسانی ترقی سے میری مراد سب سے پہلے یہ ہے کہ لوگ غلامی اور خوف سے آزاد ہوں۔ آپ نے یقیناً لوگوں کو زراعت اور بھٹے کی صنعت میں غلاموں کی طرح کام کرتے سنا ہوگا۔ استحصال کی سب سے خوفناک شکل کے خاتمے کے لیے گزشتہ تیس ماہ میں کیا گیا؟ برائے مہربانی جبری مشقت کی لعنت سے چھٹکارے کو ترجیح دیں۔ اور ان محنت کشوں کے حالات بھی آپ کی توجہ کے منتظر ہیں جو کہ تکنیکی لحاظ سے جبری مزدور نہیں ہیں۔ آپ دوسروں سے بہتر جانتے ہیں کہ آسودہ خاطر لیبر کی مدد کے بغیر نہ تو صنعت پھل پھول سکتی ہے اور نہ ہی معیشت ترقی کرسکتی ہے۔ مزدوروں کے حقوق کا احترام کرکے، نجکاری کی ناقص پالیسی پر نظرثانی کرکے اور آجر واجیر کے مابین شفاف معاہدے کے سلسلے میں ریاست کے کردار پر نظرثانی کرکے پیداوار اور برآمدات (بی ایس پی+) میں اضافے کے لیے مزدوروں کی رضامندی اور تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اور برائے مہربانی ان لوگوں کو نظرانداز نہ کریں جواب بھی زراعت پر منحصر ہیں۔۔۔ آبادی کا تقریباً 35 فیصد۔ آپ کو حقیقی زرعی اصلاحات کا کوئی طریقہ تلاش کرنا پڑے گا جن پر آپ غالباً ذاتی طور پر یقین بھی کرتے ہیں۔

یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے لیے قوانین کے چھتر کی ضرورت پڑے گی، جس پر قومی کمیشن برائے انسانی حقوق اور حال ہی میں بحال شدہ وزارت انسانی حقوق آپ کو بہتر وضاحت دے سکتی ہے۔ مثال کے طور پر، آپ اپنے ساتھیوں کو یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہ بچوں کی مشقت، بچوں کی شادی، گھریلو تشدد، جسمانی سزا کے خاتمے اور گھروں میں رہ کر کام کرنے والے ملازمین کے لیے شائستہ بندوبست کے لیے یا مذہبی اقلیتوں کو لاحق خوف جو انہیں نگلے جارہا ہے، کے خاتمے کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کیوں نہیں کرتے؟

بدقسمتی سے میری پٹیشن اتنی طویل ہے کہ مجھے دستیاب جگہ میں پوری نہیں آسکتی اور آپ بھی دوسرے لوگوں کو سُننے سے اکتا جاتے ہوں گے۔ میں آپ کی توجہ اس معاملے کی طرف مبذول کرواکر اپنی بات ختم کرنا چاہوں گا کہ ملک کی نصف آبادی کو اس قابل بنائیں کہ وہ بھی ملک کی مشکلات کے خاتمے کی جدوجہد کا حصہ بن سکیں۔ برائے مہربانی اپنے کسی ساتھی کو کہیں کہ وہ آپ کو اس برس کی عالمی جنسی عدم مساوات رپورٹ پڑھ کر سنائے۔ پاکستان کا نام تمام شعبوں میں جدول میں سب سے نیچے ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ پاکستان عورتوں کو مردوں کے مساوی لانے کے لیے کچھ خاص کرے۔

(آپ کا مخلص)

(ایک شہری عرف عام آدمی)

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

اقتصادی راہداری میں گلگت ۔ بلتستان کے لئے کوئی جگہ نہیں

افضل اے شگری

کہا جارہا ہے کہ قدیم شاہراہ ریشم کی بحالی نو کی حیثیت سے چین پاک اقتصادی راہداری (سی پیک) بہت بڑی تبدیلی کا باعث بنے گی۔ چین نے خنجراب سے گوادر تک ہائی وے نیٹ ورک، توانائی کے منصوبوں اور اکنامک زونز میں 46 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کرنے کا عہد کیا ہے۔ حکومت کی بیان کردہ پالیسی یہ ہے کہ اس سرمایہ کاری کے فوائد وسائل کی مساوی تقسیم کے ذریعے تمام صوبوں کو پہنچائے جائیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ حکومتی عہدیداروں کے بیانات میں گلگت بلتستان کا بہت کم ذکر کیا گیا ہے۔ سی پیک کا اصل مقصد ہی چین کی جانب سے گوادر بندرگاہ کی تعمیر اور گلگت بلتستان سے گزرنے والی قراقرم ہائی وے (کے کے ایچ) کو بہتر بنانا تھا۔

یہ سب اس وقت شروع ہوا جب 60 اور 70 کی دہائی میں دریائے گلگت اور دریائے سندھ کے ساتھ قراقرم ہائی وے (کے کے ایچ) تعمیر کی گئی۔ ہزاروں چینی اس سڑک کی تعمیر کے لئے سرحد پار کر کے پاکستان آئے۔ محدود مشینری کے ساتھ اس ضخیم منصوبے کی تعمیر انتہائی مشکل کام تھا۔ تاہم، چینیوں اور ان کے پاکستانی ہم منصبوں نے سخت پتھریلی چٹانوں میں سے راستہ بناتے ہوئے اور پتھروں اور پہاڑوں کو دوسری جگہ منتقل کر کے ایک سڑک بنائی جو دنیا کے آٹھویں عجوبے کے طور پر جانی جاتی ہے۔ یہ یقیناً انجینئرنگ کا ایک شاہکار تھا، اور وہ ہزاروں افراد جنہوں نے اس سڑک کی تعمیر کے دوران اپنی جانیں گنوائیں ان کی جرأت قابل تحسین ہے۔

مقامی آبادی اس وسیع داخلی راستے اور اپنی روزمرہ کی زندگی پر اس کے اثرات کے بارے میں فکرمند تھی۔ حکومت نے ان کے خدشات یہ کہہ کر دور کئے کہ اس سڑک سے گلگت بلتستان کا دنیا سے رابطہ قائم ہوگا، اس سے علاقے میں خوشحالی آئے گی اور نوجوانوں کو ملازمتیں ملیں گی۔ اس سڑک (شاہراہ قراقرم) سے علاقے کا دنیا سے رابطہ قائم ہوا اور روزگار کے مواقع پیدا ہوئے۔ لیکن جب باہر کے لوگوں نے مقامی سیاسی، مذہبی اور سماجی محرکات پر اثر انداز ہونے کے لئے اختلافی نظریات متعارف کرائے تو اس نے فرقہ وارانہ تصادم کو جنم دیا اور اس کی قیمت کئی برسوں تک جاری رہنے والی بدامنی اور خون ریزی کی شکل میں ادا کرنا پڑی۔ اس کے علاوہ پاکستان سے چین اور وہاں سے پاکستان مصنوعات لے کر جانے والے دیوہیکل ٹرکوں نے نہ صرف ماحول کو آلودہ کر دیا بلکہ انہوں نے منشیات اور بندوقیں بھی متعارف کرائیں۔

یہ علاقہ ایک منفرد تاریخ رکھتا ہے۔ یہاں کے لوگوں نے دو سال کی بہادرانہ جدوجہد کے بعد ریاست کشمیر کی منظم فوج کو زیر کر کے علاقے کو آزاد کرایا اور پاکستانی شہری بننے کی امید میں پاکستان میں شامل ہوئے۔ المیہ یہ ہے کہ حکومت پاکستان نے ان محب وطن لوگوں کو شہریوں کے طور پر اپنانے کی بجائے گلگت بلتستان کو جموں وکشمیر کا متنازعہ علاقہ قرار دیتے ہوئے ان کی شمولیت کو صرف انتظامی کنٹرول کے طور پر قبول کیا۔ ایسا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب استصواب رائے کا وقت آئے، جس کا وعدہ کیا گیا ہے، تو پاکستان کے حق میں ووٹوں کو یقینی بنایا جاسکے۔ استصواب رائے نہ کبھی ہوا اور نہ ہی اس کا کوئی امکان دکھائی دیتا ہے، لیکن اس علاقے کو تنازعہ کشمیر سے جوڑ دیا گیا اور اس کا نظم ونسق صدارتی احکامات کے ذریعے چلایا جانے لگا۔ چونکہ گلگت بلتستان کی پارلیمنٹ میں کوئی نمائندگی نہیں اور یہ آئینی طور پر پاکستان کا حصہ نہیں، اس لئے ریاستی ڈھانچوں میں اس کی کوئی رائے نہیں جہاں وفاقی اکائیوں سے متعلق

> س سڑک (شاہراہ قراقرم) سے علاقے کا دنیا سے رابطہ قائم ہوا اور روزگار کے مواقع پیدا ہوئے۔ لیکن جب باہر کے لوگوں نے مقامی سیاسی، مذہبی اور سماجی محرکات پر اثر انداز ہونے کے لئے اختلافی نظریات متعارف کرائے تو اس نے فرقہ وارانہ تصادم کو جنم دیا اور اس کی قیمت کئی برسوں تک جاری رہنے والی بدامنی اور خون ریزی کی شکل میں ادا کرنا پڑی۔ اس کے علاوہ پاکستان سے چین اور وہاں سے پاکستان مصنوعات لے کر جانے والے دیوہیکل ٹرکوں نے نہ صرف ماحول کو آلودہ کر دیا بلکہ انہوں نے منشیات اور بندوقیں بھی متعارف کرائیں۔

فیصلے کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی سی پیک کے منصوبوں میں بھی کوئی رائے نہیں۔ حتیٰ کہ ان کی ان منصوبوں سے متعلق کسی مشاورتی اور منصوبہ بندی کی کمیٹی میں بھی کوئی نمائندگی نہیں۔

پلاننگ ڈویژن کے مطابق سی پیک منصوبوں کا مقصد ہر صوبے کی معاشی ترقی ہے۔ گلگت بلتستان کے لئے، ماسوائے قراقرم ہائی وے کی توسیع کے، جس کے نتیجے میں محض سڑک کے قریبی علاقوں کو چند سہولیات میسر آئیں گی، اس پورے میں منصوبے میں سی پیک کا کوئی بھی منصوبہ شامل نہیں۔ حیران کن امر یہ ہے کہ سی پیک کے تحت کسی بھی ہائیڈرو پاور منصوبے کے لئے فنڈز کی فراہمی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ حکومت پاکستان کی زیادہ تر توجہ پنجاب اور سندھ کے میدانی علاقوں میں واقع کوئلے اور ایل این جی منصوبوں پر ہے۔ پلاننگ ڈویژن نے ہائڈرو پاور منصوبوں کی اہمیت کو عجیب انداز سے نظرانداز کر رکھا ہے۔ قراقرم ہائی وے کے ساتھ دریا کے بہاؤ پر تعمیر کئے جانے والے منصوبے غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ صرف بونجی کے مقام پر توانائی کا 7,400 میگاواٹ کا منصوبہ اور پانی کے بہاؤ سے اوپر کی طرف 2,000 میگاواٹ کے مزید دو منصوبے تعمیر کئے جاسکتے ہیں۔ یہ منصوبے پاکستان کی توانائی کی ضروریات کو کافی حد تک پورا کر سکتے ہیں۔ پانی سے پیدا ہونے والی توانائی ماحول دوست، سستی اور معاشی لحاظ سے قابل عمل ہوتی ہے؛ اس سے تیل، ایل این جی اور کوئلے کی درآمد پر خرچ ہونے والے اربوں ڈالر کی بچت کی جاسکتی ہے۔ دنیا صاف توانائی کو ترجیح دے رہی ہے جبکہ ہم توانائی کے ایسے منصوبوں کو ترجیح دے رہے ہیں جو آلودگی کا باعث بنتے ہیں۔

چونکہ گلگت بلتستان کی سی پیک منصوبوں میں کوئی رائے نہیں، اس لئے اس کے لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرنے والے بھی کوئی نہیں۔ سی پیک کے ذریعے ان کے معاشی ترقی کے حق کے تحفظ کو یقینی بنانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ان کی آئینی حیثیت کو تسلیم کیا جائے اور انہیں پارلیمنٹ اور تمام سرکاری شعبوں میں نمائندگی دی جائے۔ حکومت کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ گلگت بلتستان میں تعلیم میں ایک خاموش انقلاب آچکا ہے جس کا سہرا این جی اوز کو جاتا ہے، اور نوجوانوں میں شرح خواندگی تقریباً 100 فیصد ہوچکی ہے۔ چنانچہ، اچھا وقت آنے کے جو وعدے اکثر اوقات کئے جاتے ہیں، شاید وہ انہیں منظور نہ کریں۔ وہ ان فیصلوں کا حصہ بننا چاہتے ہیں جو ان کے مستقبل پر براہ راست اثرانداز ہوتے ہیں۔ گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت کو تسلیم کئے بغیر یہ ناممکن ہے۔

ایک ایسی صورتحال جس میں قانون کا کوئی وجود نہیں، ان منصوبوں کے حوالے سے کئے گئے معاہدوں کے انتظام سے متعلق سوالات کو جنم دے گی۔ اور جب اس منصوبے پر عمل درآمد کے دوران یہ امتیازی سلوک عیاں ہوگا تو اس سے ایک بے اطمینانی کی صورتحال پیدا ہوسکتی ہے جس سے یہ پورا منصوبہ خطرے میں پڑ جائے گا۔ مشیر برائے امور خارجہ کی صدارت میں قائم کی گئی کمیٹی کو بنیادی آئینی مسئلے پر توجہ دیتے ہوئے ان اسباب پر بھی غور کرنا ہوگا۔

دفتر خارجہ کو چاہئے کہ وہ کشمیر سے متعلق سرکاری موقف کے تحفظ کے لئے اپنی سمجھ بوجھ کو استعمال کریں کیونکہ یہ گلگت بلتستان کے لوگوں کا مسئلہ نہیں ہے، جنہوں نے غیر مشروط طور پر پاکستان کا انتخاب کیا۔ قومی اسمبلی میں ایک مبصر کی حیثیت (جیسا کہ 1980ء میں دی گئی تھی) جیسا کوئی بھی درمیانی اور سطحی حل ناقابل قبول ہوگا۔ انہیں پارلیمنٹ میں نمائندگی کے علاوہ وہ تمام حقوق اور مراعات ملنی چاہئیں جو ایک پاکستان شہری کو حاصل ہیں۔ اقتصادی راہداری کے سرے پر موجود ایک غیر مطمئن آبادی اس پورے منصوبے کو ناکام بنا سکتی ہے جو گلگت بلتستان اور پاکستان کے عوام کے لئے اچھا شگون نہیں ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

انسانی حقوق کے کارکن کی بہن سینٹ کی کمیٹی کے سامنے پیش ہوئیں

اسلام آباد لبنیٰ ندیم نے بروز بدسینٹ کی کمیٹی کے اراکین کو بتایا کہ وہ اپنے بھائی اور انسانی حقوق کے کارکن راشد رحمان ایڈووکیٹ کے قتل میں ملوث ملزمان کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کی کوششیں کر رہی ہیں جو کہ بارآور ثابت نہیں ہو رہی ہیں۔

''میں تاحال اپنے بھائی کو انصاف نہیں دلا سکی، انہوں نے انسانی حقوق سے متعلقہ سینٹ کی کمیٹی کو بتایا''۔

رحمان جنہیں ملتان میں تضحیک مذہب کے مقدمے کی وکالت کرنے پر قتل کیا گیا، کو عدالت میں ذوالفقار سندھ ایڈووکیٹ، سجاد چاوا ایڈووکیٹ اور ایوب مغل کے ساتھ تلخ کلامی کے بعد موت کی دھمکیاں موصول ہو رہی تھیں۔

راشد نے لکھا تھا کہ اگر ان کے ساتھ کچھ ہوتا ہے تو یہ تینوں افراد اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ وہ لوگ جنہوں نے اطلاعات کے مطابق راشد رحمان کو دھمکیاں دی تھیں اب تک آزاد ہیں کیونکہ انہیں حراست میں لینے یا ان کے خلاف مقدمہ درج کرنے کے لیے کوئی ٹھوس شہادت دستیاب نہیں ہے۔

ایس ایس پی تحقیقات، ملتان ڈاکٹر عارف بھی کمیٹی کی میٹنگ میں موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ پولیس نے ایک مطلوبہ مجرم صائم حسن کو گرفتار کیا تھا جس نے اعتراف کیا تھا کہ کراچی میں ایک کالعدم تنظیم نے انہیں اور ان کے ساتھیوں محتسم اور عمار کو راشد رحمان کو قتل کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔

دوران تحقیقات، صائم نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے راشد کے قتل کی منصوبہ بندی عدالت میں راشد کے دلائل سے تین ماہ قبل کی تھی۔ تاہم، پولیس اہلکار نے یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے صائم کو کہاں سے گرفتار کیا تھا، جسے بعد ازاں مظفر گڑھ میں ایک پولیس مقابلے میں مار دیا گیا تھا۔

ڈاکٹر عارف نے مزید کہا کہ انٹر سروسز انٹیلی جنس (آئی ایس آئی) کے بقول اس جرم میں شریک اس کے دیگر ساتھی افغانستان میں ہیں۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ امریکہ سے آنے والے صائم نے دہشت گردی کی تربیت چاغی میں حاصل کی تھی۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ایکسپریس ٹریبون)

میٹرو منصوبہ: 'تاریخی عمارتوں کے قریب تعمیر روکنے کا حکم'

لاہور ہائی کورٹ کے دو رکنی بنچ نے اورنج لائن میٹرو ٹرین منصوبے کے راستے میں آنے والی 11 تاریخی عمارتوں کے دو سو فٹ احاطے میں تعمیر روک دی ہے۔ اورنج لائن میٹرو کے خلاف دائر درخواستوں کی سماعت جسٹس عابد عزیز شیخ اور جسٹس شاہد کریم نے کی۔ 29 جنوری کو ہونے والی سماعت میں عدالت نے منصوبے کی زد میں آنے والی تاریخی کے بارے میں محکمہ آثار قدیمہ کا این او سی طلب کیا تھا۔ عدالتی بنچ نے سول سوسائٹی کے کارکن آئی اے رحمان، کامل خان ممتاز اور نیلم حسین کی جانب سے دائر کی گئی پٹیشن کا فیصلہ سناتے ہوئے حکم امتناعی جاری کر دیا۔ سرکاری وکیل خواجہ حارث نے عدالت کو بتایا کہ منصوبے میں تاریخی عمارتوں کے تحفظ کو یقینی بنایا گیا ہے لیکن اگر منصوبے کی تکمیل میں تاخیر ہوگئی تو بین الاقوامی سطح پر ملک کا نقصان ہوگا۔ عدالت نے استفسار کیا کہ محکمہ آثار قدیمہ نے این او سی جاری کرتے وقت کیا پرائیویٹ تجربہ کار لوگوں کو ساتھ شامل کیا تھا اور یہ کہ تاریخی عمارتوں کے تحفظ کے لیے کیا اقدامات کیے گئے ہیں۔ درخواست گزاروں کے وکیل اظہر صدیق نے عدالت کو بتایا کہ 'محکمہ اثار قدیمہ کے سابق ڈائریکٹر کو پانچ عمارتوں کا این او سی جاری نہ کرنے پر تبدیل کر دیا گیا جبکہ دیگر چھ عمارتوں کا این او سی چیف سیکریٹری سے لیا گیا'۔ عدالت دونوں جانب کے دلائل سننے کے بعد شالامار باغ، گلابی باغ، بدھو مقبرہ، چوبرجی، زیب النسا مقبرہ، لکشمی بلڈنگ، جنرل پوسٹ آفس، سپریم کورٹ رجسٹری بلڈنگ ایوان اوقاف، سینٹ اینڈریو چرچ اور بابا موج دریا دربار اور مسجد کے اطراف میں دو سو فٹ کے فاصلے تک کسی قسم کی تعمیر روکنے کا حکم جاری کر دیا۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

اورنج ٹرین کے لیے لوگوں کو بے گھر نہ کیا جائے

ماہرین نے متاثرین کی نوآبادکاری اور معاوضوں کی ادائیگی کے معاملے پر بھی تحفظات کا اظہار کیا۔ اقوامِ متحدہ کے ماہرین نے پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ نئی میٹرو لائن بنانے کے لیے لوگوں سے زبردستی علاقہ خالی کروانے اور عمارتوں کو مسمار کرنے کا عمل بند کیا جائے۔ اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے محکمے کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ ادارے کے دو نمائندوں نے حکومتِ پاکستان سے کہا ہے کہ لاہور میں اورنج میٹرو لائن کی تعمیر کا کام روکا جائے جس کے لیے متعدد جبری انخلا کے واقعات پیش آئے ہیں اور اس کی وجہ سے کئی ثقافتی مقامات اور تاریخی عمارتوں کو بھی خطرہ لاحق ہے۔ اقوامِ متحدہ میں رہائش کے حق کے لیے کام کرنے والی نمائندہ لیلانی فرح کا کہنا ہے کہ کہ 'لاہور کے رہائشیوں کو انتہائی مختصر نوٹس کے بعد زبردستی مکانات اور کاروباروں سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔ کئی افراد کو تو عمارتیں مسمار کرنے سے قبل صرف زبانی اطلاع دی گئی'۔ کئی متاثرین کے پاس تو متبادل رہائش بھی نہیں ہے۔ یہ سکیم پہلے سے مشکلات کا شکار افراد کو بے گھر کر رہی ہے۔ انھوں نے متاثرین کی نوآبادکاری اور معاوضوں کی ادائیگی کے معاملے پر بھی تحفظات کا اظہار کیا۔ متاثرین کی اکثریت پہلے سے ہی خطِ غربت سے بھی نیچے زندگی گزار رہی ہے۔ لیلانی فرح کے مطابق 'کئی متاثرین کے پاس تو متبادل رہائش بھی نہیں ہے۔ یہ سکیم پہلے سے مشکلات کا شکار افراد کو بے گھر کر رہی ہے'۔ اقوامِ متحدہ کی ثقافت سے متعلق ماہر کریمہ بینونے کا کہنا ہے 'یہ میٹرو منصوبہ لاہور کے تاریخی مقامات سے گزرتا ہے جہاں تقسیم سے قبل کے تاریخی عمارتوں، اقلیتوں کی عبادت گاہوں، تاریخی مقبروں، مندروں، اور باغات کو خطرہ ہے جو ثقافتی ورثہ قرار دیے گئے ہیں'۔ یہ میٹرو منصوبہ لاہور کے تاریخی مقامات سے گزرتا ہے جہاں تقسیم سے قبل کی تاریخی عمارتوں، اقلیتوں کی عبادت گاہوں، تاریخی مقبروں، مندروں، اور باغات کو خطرہ ہے جو ثقافتی ورثہ قرار دیے گئے ہیں۔ اقوام کے انسانی حقوق کے ماہرین نے اس منصوبے کے حوالے سے معلومات کی کمی کے بارے میں بھی توجہ دلائی۔ چونکہ ان کے مطابق اس منصوبے پر تحفظات کے اظہار کے بعد متعدد بار اس کے رُوٹ میں تبدیلی کی گئی۔ بیان کے مطابق یہ بھی واضح نہیں ہے کہ حکومت کے جانب سے ایسے متبادل راستوں کا انتخاب کیونکہ نہیں کیا گیا جو کم نقصان دہ اور بے دخلی کا باعث بنتے۔ اقوامِ متحدہ کے ماہرین نے مطالبہ کیا کہ 'پاکستانی حکام کو لاہور کے شہریوں کے رہائش کے حقوق اور عمارتوں کے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات کرنے چاہئیں جو بین الاقوامی انسانی حقوق کے قوانین اور ملک کے تسلیم شدہ معیار کے مطابق ہوں۔'' اور حکومت عمارتوں کی مسماری اور تعمیری کام روکے کو معیار کے مطابق نہیں ہے۔'

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

اقلیتیں

ہندوؤں کی جائیدادوں پر ناجائز قبضے ختم کرائے جائیں

حیدرآباد 9 جنوری کو پاکستان امن کونسل کے رہنماء ڈاکٹر لکی راج لیلانی نے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ ہریش کمار کے فیلٹ سے بااثر افراد کا قبضہ ختم کروایا جائے۔ انہوں نے یہ مطالبہ ایک پریس کانفرنس کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ماضی میں ہندو برداری کے قبرستان پر قبضہ اور مندروں کی بے حرمتی کی گئی لیکن اب ان کے فلیٹوں پر قبضوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ چند روز قبل قبضہ مافیا کے نعیم مغل، سلیم اختر بلوچ نے اپنے مسلح ساتھیوں کی مدد سے قاسم آباد میں ہریش کمار کے فلیٹ پر قبضہ کرلیا ہے جس کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کرانے کے ساتھ اعلیٰ حکام کو درخواستیں ارسال کی گئیں لیکن ان کا نوٹس نہیں لیا گیا جبکہ مذکورہ افراد آواز اٹھانے پر ہریش کمار کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دے رہے ہیں جس کے باعث وہ عدم تحفظ کا شکار ہیں۔

(لالہ عبدالحلیم)

اغواء کے بعد جبری تبدیلی مذہب

عمرکوٹ 18 جنوری کو روزنامہ سندھی اخبار کاوش میں شائع ہونے والی خبر کے مطابق تین ہفتے قبل مذہب تبدیل کرکے پسند کی شادی کرنے والی لڑکی ہیمی کے والد شگن کولہی نے سیشن کورٹ عمرکوٹ کے حکم پر کنری تھانے میں 6افراد کے خلاف بیٹی کے اغواء کا مقدمہ درج کرایا۔ ملزموں میں پریمی اسلم چاچڑ، نبوالھیچایو، یونس، رانجھو اور کستورہ کولہی شامل ہیں۔ ایچ آر سی پی کے ضلعی کور گروپ کی طرف سے حاصل کی جانے والی معلومات کے مطابق لڑکی ہیمی کے بھائی سنتوش نے بتایا کہ وہ گوٹھ جاگن چاچڑ میں کئی برسوں سے رہائش پذیر ہیں۔ اس کے والدین ہاری کا کام کرتے ہیں جبکہ وہ گورنمنٹ قاضی سلطان ہائیر سکینڈری سکول کی کنری میں نویں جماعت کا طالب علم ہے۔ بتاریخ 26 دسمبر 2015ء کو دو کاروں میں چھ افراد ہتھیاروں سے لیس آئے اور ہیمی کو یرغمال بنالیا۔ پھر اسلم چاچڑ اپنے مسلح ساتھیوں کے ہمراہ گھر کے اس کمرے میں گھسے جس میں ان کی ایک خاتون سوئی ہوئی تھی۔ جوابداروں نے زبردستی اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھا کر اغواء کرکے لے گئے۔ اور دیگر لوگوں کو خاموش رہنے ورنہ قتل کرنے کی دھمکی دی۔ دوسرے دن رانجھو چاچڑ ان کے گھر آیا اور کہا آپ پریشان نہ ہوں ہم آپ کی بیٹی کو عزت واحترام کے ساتھ واپس دینے آئیں گے۔ وقوعہ کے آٹھ دن بعد کہا کہ اب آپ کی بیٹی ہیمی آپ کے پاس واپس نہیں آنا چاہتی کیونکہ اس نے تبدیلی مذہب کے بعد اسلم ولد گلاب چاچڑ سے پسند کی شادی کرلی ہے۔ لڑکی کے والد شگن کولہی اور بھائی سنتوش نے مزید بتایا کہ ہیمی نابالغ ہے۔ اس کی عمر ساڑھے پندرہ سال ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان کی بیٹی کا اس طرح سے اغواء ہونا، تبدیلی مذہب اور زبردستی شادی سراسر ناانصافی ہے۔ انہوں نے انصاف کے حصول کے لیے وکیل خدا بخش پنہور کے ذریعے سیشن کورٹ عمرکورٹ سے رجوع کیا۔ پھر عدالتی حکم پر 16 فروری کو مقدمہ درج کرایا۔ کنری پولیس نے 18 جنوری کو لڑکی کو تحویل میں لے کر عدالت میں پیش کیا۔ عدالت نے لڑکی کو والدین سے ملنے کی ہدایت کی لیکن لڑکی نے والدین سے ملنے اور بات کرنے سے انکار کردیا۔ لڑکی نے عدالتی بیان میں کہا کہ اس کے والدین نے اغواء کی جھوٹی ایف آئی آر درج کروائی ہے۔ اس نے اپنی مرضی سے مذہب تبدیل کیا ہے وہ ہندو تھی اور اس کا نام ہیمی تھا۔ اس کا اسلامی نام حاجیانی شیخ ہے۔ تبدیلی مذہب کے بعد اسلم چاچڑ سے پسند کی شادی کی ہے۔ اب اس کا اپنے والدین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے اپنے شوہر کے ساتھ جانا چاہتی ہے۔ عدالت نے لڑکی کو اپنے شوہر کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ عدالت نے پولیس کے انکوائری افسر کو ہدایت کی کہ عمر کی تصدیق کے حوالے سے سارے قانونی تقاضے پورے کئے جائیں۔ والدین نے کہا کہ ان کی بچی دباؤ اور خوف کا شکار تھی اس لیے اس نے والدین سے ملاقات سے انکار کیا تھا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ تعلیمی سرٹیفکیٹ کے مطابق اٹھارہ برس کی ہونے تک ہیمی کو ان کے حوالے کیا جائے۔ اٹھارہ برس کی ہو جائے اس کے بعد بچی کی منشاء پوچھی جائے۔

(اوکھو منروپ)

نامعلوم افراد کی فائرنگ سے ڈاکٹر ہلاک

بنوں بنوں میں نامعلوم افراد نے فائرنگ کرکے ایک ڈاکٹر کو ہلاک کردیا ہے۔ پولیس حکام کے مطابق یہ واقعہ 5 جنوری کی صبح اس وقت پیش آیا جب ڈاکٹر محمد یوسف اپنے گھر سے کلینک کی جانب جارہے تھے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس عنایت علی شاہ نے بتایا کہ اب تک قتل کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی اور لواحقین کا کہنا ہے کہ ان کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ بظاہر اس قتل کے مقاصد واضح نہیں ہیں لیکن اس بارے میں تحقیقات جاری ہیں۔ پولیس اہلکاروں نے بتایا کہ صبح ڈاکٹر محمد یوسف اپنے کلینک کی جانب پیدل جارہے تھے کہ ہسپتال کے قریب نامعلوم موٹر سائکل سواروں نے ان پر فائرنگ شروع کردی۔ پولیس کے مطابق ڈاکٹر محمد یوسف نے روس سے طب کی تعلیم حاصل کی تھی اور اپنے الٹرا ساؤنڈ کلینک چلاتے تھے۔ بنوں میں کچھ عرصے سے تشدد کے واقعات میں اضافہ دیکھا جارہا ہے۔ گذشتہ ماہ جمعیت علماء اسلام کے رہنما اور سابق وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا اکرم خان درانی کے قافلے کے قریب دھماکہ ہوا تھا جس میں وہ خود تو محفوظ رہے لیکن قافلے میں شامل دو افراد ہلاک ہوگئے تھے۔ شمالی وزیرستان میں جاری فوجی آپریشن کے نتیجے میں نقل مکانی کرنے والوں کی بڑی تعداد بنوں میں رہائش پذیر ہے۔ خیبر پختونخوا میں کسی ڈاکٹر پر یہ پہلا حملہ نہیں ہے گذشتہ ماہ پشاور میں ایک ڈاکٹر کو اغوا کے بعد قتل کردیا گیا جبکہ اس کے قتل میں ملوث دو ملزم گرفتار کیے جاچکے ہیں اسی طرح دو ماہ قبل صوابی میں انسداد پولیو مہم کے کوارڈینیٹر ڈاکٹر یعقوب کو نامعلوم افراد نے فائرنگ کرکے ہلاک کردیا تھا۔ پاکستان میں غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق گذشتہ چودہ برسوں میں پچاس ڈاکٹروں کو ہلاک کیا گیا ہے جبکہ گذشتہ سال پانچ ڈاکٹروں کو مارا گیا ہے۔

(نامہ نگار)

فائرنگ سے طالب علم ہلاک

کوئٹہ بلوچستان میں فائرنگ اور تشدد کے واقعات میں ایک مجاور اور ایک کم عمر طالبعلم ہلاک ہوگیا ہے۔ مجاور کی ہلاکت کا واقعہ 4 جنوری کو ضلع لورالائی میں پیش آیا۔ لورالائی پولیس کے ایک اہلکار نے بی بی سی کو بتایا کہ کوئٹہ روڈ پر واقع ملنگ باغ میں دو نامعلوم نقاب پوش موٹر سائیکل سوار آئے۔ اہلکار کا کہنا تھا کہ مسلح افراد نے مزار میں شیر علی نامی ملنگ پر فائر کھول دیا جس کے نتیجے میں وہ ہلاک ہوا۔ ان کا کہنا تھا کہ مجاور کا تعلق سندھ کے کسی شہر سے تھا۔ تاہم بعض دیگر اطلاعات کے مطابق ہلاک ہونے والے مجاور کا تعلق خیبر پشتونخوا کے علاقے مانسہرہ سے تھا اور اس کی عمر 35 سال سے زیادہ تھی۔ اس واقعہ کے محرکات معلوم نہیں ہوسکے اور نہ ہی کسی نے تاحال اس کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ طالبعلم کی ہلاکت کا واقعہ کوئٹہ کے جنوب مغرب میں واقع ایران سے متصل ضلع کیچ کے علاقے گومازی میں پیش آیا۔

(نامہ نگار)

قدامت پسند ملاؤں کے فرمانبردار

آئی۔ایے۔رحمٰن

لڑکیوں کی شادی کی عمر کو 16 سے 18 برس تک بڑھانے کی کوشش کو ناکام بنا کر قومی اسمبلی کے اراکین نے ثابت کر دیا ہے کہ انہیں عوامی نمائندوں کے طور پر اپنی حیثیت سے زیادہ قدامت پسند ملاؤں کی اطاعت عزیز ہے۔

ایک مرتبہ پھر اسلامی نظریاتی کونسل نے لڑکیوں اور اسلام دونوں کے ساتھ ناانصافی کی ہے کیونکہ وہ اپنے اس دعوے کو دلیل سے ثابت نہیں کر سکے کہ اسلام لڑکیوں کی شادی کی کم از کم عمر مقرر کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کا کم عمری کی شادی کا دروازہ کھلا رکھنے کا خبط ہمیں 87 سال پہلے ہندوستان کی مرکزی قانون ساز اسمبلی میں ہندو چائلڈ میرج بل پر ہونے والی بحث کی یاد دلاتا ہے۔اس بل کا مقصد کم سن ہندو لڑکیوں کی شادی پر پابندی عائد کرنا تھا۔قائداعظم کی کوششوں سے اس قانون کا اطلاق مسلمان لڑکیوں پر کیا گیا اور یہ 1929ء میں کم عمری کی شادی کی ممانعت کا ایکٹ بن گیا۔

ہندو اراکین اسمبلی نے اس بل کی شدید مخالفت کی، اور جب یہ تجویز دی گئی کہ اس کا اطلاق مسلمان لڑکیوں پر بھی ہونا چاہئے تو مسلمان اراکین کی اکثریت نے بھی اس کی شدید مخالفت کی۔بل کے حوالے سے عوامی مخالفت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے خلاف دائر کی گئی پٹیشنوں پر 72,725 افراد نے دستخط کئے جبکہ صرف دس افراد نے بل کی حمایت کی۔

تاہم اسمبلی کے تمام مسلمان اراکین اور اسمبلی سے باہر تمام علماء نے بل کی مخالفت نہیں کی۔مولانا سلیمان ندوی اور خواجہ حسن نظامی نے اس اقدام کی حمایت کی۔دیوبند مکتبہ فکر کے دو نمائندوں نے کہا کہ کم عمری کی شادی پر قانون کوئی غیر ملکی حکومت نہیں بلکہ ایک مسلمان حکمران ہی کر سکتا ہے۔بحث کے دوران چند مسلمان اراکین نے اپنا موقف تبدیل کر لیا۔مثال کے طور پر پنجاب کے میاں شاہ نواز اس بل کے پرزور حامی تھے لیکن جب انہیں 74 علماء کا جاری کردہ فتویٰ دکھایا گیا تو وہ اس کے خلاف ہو گئے۔

قائداعظم کا پہلے یہ خیال تھا کہ کم عمری کی شادی مسلمان برادری میں کوئی سنگین مسئلہ نہیں ہے۔بعد کی تحقیق سے وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ کم عمری کی شادی کی برائی مسلمان برادری میں موجود تھی اور انہوں نے اس بل کی بھرپور حمایت کی۔انہوں نے اسمبلی میں جو کہا وہ تفصیل سے دہرائے جانے کے لائق ہے۔کم عمری کی شادی کو ایک ''ہولناک برائی'' قرار دیتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا:

''کیا ہمیں اس برائی سے نمٹنے کی اجازت نہیں ہے؟ جناب، میں عالم ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔نہ ہی میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ مجھے مذہبی عقائد پر عبور حاصل ہے۔لیکن میں ایک بات جانتا ہوں، وہ یہ ہے کہ بمبئی میں اپنی گزشتہ 30 سالہ پریکٹس کے دوران میں ہمیشہ یہ بات جانتا تھا کہ شادی کے قانون سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں؛ اسلامی قانون کی رو سے شادی ایک معاہدہ ہے، جو خالص اور سادہ ہے۔کیا قابل احترام اراکین کسی ایسی تحریر کی نشاندہی کریں گے جس سے میں لاعلم ہوں؟ میں پھر کہتا ہوں کہ اسلامی قانون کے مطابق شادی ایک معاہدہ ہے۔کیا اسے چیلنج کیا جاسکتا ہے؟ اگر اس بات پر کوئی مجھ سے اختلاف رکھتا ہے تو وہ اسلامی قانون سے ہی واقف نہیں ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ آیا ایسی کوئی تحریر موجود ہے جس کے تحت مسلمانوں پر یہ لازم ہو کہ وہ اپنی بیٹیوں کی 14 سال کی عمر سے پہلے شادی کر دیں۔ایسی کوئی تحریر موجود نہیں۔۔۔۔

''میں یہ نہیں مان سکتا خدا ایسے برے رواجوں کی منظوری دے سکتا ہے، اور یہ کہ ہمیں ایک منٹ کے لئے بھی ایسے برے رواجوں کو جاری رہنے کی اجازت دینی چاہئے۔ہندوستان میں رائج اس ظالمانہ، خوفناک، ذلت آمیز اور غیر انسانی سرگرمی کو خدا کی منظوری کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ ض ''جناب، میں اس بات کا قائل ہوں قرآن میں ایسی کوئی بات نہیں، اسلام میں ایسی کوئی بات نہیں جو ہمیں اس برائی کے خاتمے سے روکتی ہو۔''

مسلمان سکالروں کی جانب سے مجوزہ قانون کی مخالفت پر قائد کی یہ وضاحت موجودہ بحث سے کافی مناسبت رکھتی ہے۔۔۔۔لوگ اسلامی نظریاتی کونسل سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اس نے کن وجوہات کی بنا پر کم عمری کی شادی سے متعلق قائد کے دلائل کو رد کیا۔اسلامی نظریاتی کونسل کو علامہ اقبال کے اس خطاب کی یاد دہانی کرانا بھی بہت ضروری ہے جو انہوں نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے 1930ء میں منعقد ہونے والے سالانہ اجلاس کے موقع پر کیا۔اس خطاب میں انہوں نے ہندوستان کے شمال مغربی حصے میں ایک علیحدہ مسلم ریاست کا تصور پیش کیا۔مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کے حصول کا ایک مقصد نہ صرف اسلامی فقہ میں بیان کئے گئے تصورات کو بحال کرنا تھا جو 500 سال سے منجمد تھے، بلکہ اسے ''عرب استعماریت'' کے تسلط سے بھی آزاد کرانا تھا۔لوگ جاننا چاہتے ہیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے اسلامی فقہ کو غیر منجمد کرنے اور اسے کسی بھی قسم کی استعماریت سے آزاد کرانے کے لئے کیا کیا ہے۔مزید برآں، ہوسکتا ہے کہ یہ بہت سے اسلامی اسکالروں کی جانب سے دیے گئے ان دلائل سے آگاہ ہو کہ وقت اور مقام کے ساتھ فقہ تبدیل ہوسکتا ہے، اسلام ایسے کسی بھی نظام کی منظوری نہیں دیتا جو عوام کی فلاح کے خلاف ہو اور یہ کہ سلطنت عثمانیہ کے اسلامی ضابطے کی بنیاد کسی حد تک سوئٹزرلینڈ کے قانون پر تھی۔

سلطنت عثمانیہ کے ضابطے، آئین میں غلامی کے خاتمہ، گروی خادماؤں سے پیدا ہونے والے بچوں کی فروخت کی ممانعت، اور اس اصول کے بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل کا کیا خیال ہے کہ جو چیز لوگوں کے فلاح کے منافی ہے وہ اسلامی نہیں ہوسکتی؟ موجودہ اسلامی نظریاتی کونسل پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ اس نے ان دلائل پر انحصار کرتے ہوئے اسلام کی ایک رجعت پذیر تشریح مسلط کرنے کی کوشش کی جو مسلمان اسکالروں نے اپنے سیاسی زوال کے دوران اپنائے اور یہ اسلام کو وقت کے تقاضوں کے مطابق چلانے کی ضرورت کو نظرانداز کرتی ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

کم عمری کی شادی کو ایک ''ہولناک برائی'' قرار دیتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا:
''کیا ہمیں اس برائی سے نمٹنے کی اجازت نہیں ہے؟ جناب، میں عالم ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔نہ ہی میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ مجھے مذہبی عقائد پر عبور حاصل ہے۔لیکن میں ایک بات جانتا ہوں، وہ یہ ہے کہ بمبئی میں اپنی گزشتہ 30 سالہ پریکٹس کے دوران میں ہمیشہ یہ بات جانتا تھا کہ شادی کے قانون سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں؛ اسلامی قانون کی رو سے شادی ایک معاہدہ ہے، جو خالص اور سادہ ہے۔کیا قابل احترام اراکین کسی ایسی تحریر کی نشاندہی کریں گے جس سے میں لاعلم ہوں؟ میں پھر کہتا ہوں کہ اسلامی قانون کے مطابق شادی ایک معاہدہ ہے۔کیا اسے چیلنج کیا جاسکتا ہے؟ اگر اس بات پر کوئی مجھ سے اختلاف رکھتا ہے تو وہ اسلامی قانون سے ہی واقف نہیں ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ آیا ایسی کوئی تحریر موجود ہے جس کے تحت مسلمانوں پر یہ لازم ہو کہ وہ اپنی بیٹیوں کی 14 سال کی عمر سے پہلے شادی کر دیں۔ایسی کوئی تحریر موجود نہیں۔۔۔۔
''میں یہ نہیں مان سکتا خدا ایسے برے رواجوں کی منظوری دے سکتا ہے، اور یہ کہ ہمیں ایک منٹ کے لئے بھی ایسے برے رواجوں کو جاری رہنے کی اجازت دینی چاہئے۔ہندوستان میں رائج اس ظالمانہ، خوفناک، ذلت آمیز اور غیر انسانی سرگرمی کو خدا کی منظوری کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ ض ''جناب، میں اس بات کا قائل ہوں قرآن میں ایسی کوئی بات نہیں، اسلام میں ایسی کوئی بات نہیں جو ہمیں اس برائی کے خاتمے سے روکتی ہو۔''

پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی کارکردگی پر مشاورت کا اہتمام

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے سندھ کے مختلف اضلاع مین تربیتی وآگہی نشستیں منعقد کیں جن میں پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا اور شہریوں کی اپنے منتخب نمائندوں کے ساتھ رابطہ سازی میں اضافہ کی ضرورت پر زور دیا گیا اور اس مقصد کے لیے ضروری ذرائع پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ شرکاء میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد شامل تھے جن میں سول سوسائٹی کے اراکین، کسان رہنما، وکلاء، طالب علم اور انسانی حقوق کے کارکنان شامل تھے۔

ذیل میں ان نشستوں کی مختصر روداد بیان کی گئی ہے۔

نواب شاہ 21 دسمبر، 2015

مشاورت کا مقصد

ڈاکٹر اشوتھاما

(ریجنل کوآرڈی نیٹر، ایچ آر سی پی حیدرآباد چیپٹر)

آج کی نشست کا مقصد آپ لوگوں کے ساتھ مل کر موجودہ پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی کارکردگی کا جائزہ لینا ہے۔ یہ اسمبلیاں اور پارلیمان آپ کے ووٹوں کے ذریعے قائم ہوئیں اور ان کے اراکین آپ کے ووٹوں سے منتخب ہوئے۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ ان کی کارکردگی پر نظر رکھیں اور اسے زیر بحث لاتے رہیں۔ پارلیمان اور اراکین پارلیمان کی کارکردگی کے حوالے سے میرا ایک اپنا تجزیہ ہے مگر یہاں میں آپ لوگوں کے تجربات سے سیکھنا چاہوں گا۔ آپ لوگ بتائیں کہ صوبائی اسمبلیوں، قومی اسمبلی اور سینٹ کی کارکردگی کے حوالے سے آپ کی کیا آراء ہیں۔

لالہ ارشد

پاکستان کی تاریخ کا نصف عرصہ منتخب اسمبلیوں پر مشتمل رہا ہے اور اس عرصہ کے دوران اقتدار پر دو سیاسی جماعتوں، پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نواز شریف کا غلبہ رہا۔ اگر پارلیمان موجود ہو تو ہم ایسے نظام کو جمہوری نظام کہتے ہیں۔ پاکستان میں منتخب نمائندوں نے غریب لوگوں کے مسائل پر توجہ نہیں دی۔ مرحوم سید امداد محمد شاہ کا کردار قابل تحسین رہا ہے جنہوں نے سندھ اسمبلی میں عوام کے حقوق کے لیے آواز بلند بلند کی اور تعلیم کے فروغ پر زور دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہر ضلع کے ہر گاؤں میں لڑکوں اور لڑکیوں کا سکول قائم ہے۔ انہوں نے اسمبلی میں عام آدمی کے مسائل کو اجاگر کیا۔ اراکین پارلیمان اور اراکین صوبائی اسمبلی اپنی جماعت کے موقف کی پیروی کرتے ہیں اور عام لوگوں کے مسائل کو نظرانداز کرتے ہیں۔ ہم اس حوالے سے دو مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔ حکومت نے گنے کی قیمت فی من 180 روپے مقرر کرنے کا اعلان کیا مگر اس پر عملدرآمد نہ کروایا گیا۔ دوئم،

> اگر کوئی ریاست اپنے ہی تحفظ کے لیے قانون منظور کرتی ہے تو وہ عوام کو کیا تحفظ دے گی؟ تحفظ پاکستان ایکٹ اس کی واضح مثال ہے۔ اس قسم کے قانون کی منظوری انسانی حقوق کی واضح خلاف ورزی ہے۔ ہمیں اس کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔ اسمبلیاں رینجرز کے اختیارات کی توثیق کر رہی ہیں۔ فوجی عدالتوں کی منظوری دے رہی ہے جو کہ انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے۔ ہم سب کو اس کے خلاف آواز اٹھانا ہوگی۔

صوبائی اسمبلی نے صوبے میں رینجرز کے اختیارات کو باضابطہ کرنے کے لیے ایک قرارداد منظور کی جسے وفاقی حکومت نے ایک آرڈیننس کے ذریعے مسترد کر دیا۔

پنہل ساریو

(صدر سندھ ہاری پوریہات کونسل)

منتخب نمائندوں کی کارکردگی کا جائزہ لینا انتہائی اہم کام ہے جسے ہم اکثر نظرانداز کر دیتے ہیں۔ اسمبلی کے منظور کردہ قوانین اور قراردادوں کو ان کی روح کے مطابق نافذ نہیں کیا جاتا مگر ہم خاموش رہتے ہیں۔ اگر کوئی ریاست اپنے ہی تحفظ کے لیے قانون منظور کرتی ہے تو وہ عوام کو کیا تحفظ دے گی، تحفظ پاکستان ایکٹ اس کی واضح مثال ہے۔ اس قسم کے قانون کی منظوری انسانی حقوق کی واضح خلاف ورزی ہے۔ ہمیں اس کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔ اسمبلیاں رینجرز کے اختیارات کی توثیق کر رہی ہیں۔ فوجی عدالتوں کی منظوری دے رہی ہے جو کہ انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے۔ ہم سب کو اس کے خلاف آواز اٹھانا ہوگی۔ وفاقی حکومت کا اعتراض ہے کہ سندھ زیادہ گیس استعمال کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سندھ میں گیس پاکستان کے قیام سے پہلے سے ہے۔ چنانچہ گیس کے استعمال پر سندھ کا حق ہے۔ اٹھارہویں ترمیم کے باعث صوبوں کو اختیارات ملے ہیں جن کا استعمال عوام کی فلاح بہبود میں ہونا چاہیے۔ سندھ مزارعت ایکٹ 1951ء میں اصلاحات ہونی چاہئیں تاکہ کسانوں کے حقوق کو تحفظ مل سکے۔ سول سوسائٹی کی تنظیموں اور کسانوں کی تنظیموں نے سفارشات مرتب کی تھیں۔ ہم نے 2008ء میں کامریڈ حیدر بخش جتوئی، نامور کسان رہنما کی قبر سے کراچی تک لانگ مارچ کیا اور اسپیکر سندھ اسمبلی کو وہ سفارشات پیش کیں جو سندھ مزارعت ایکٹ 1951ء میں اصلاحات سے متعلق تھیں۔ اصلاحات یہ کی گئیں کہ قانون کی خلاف ورزی کرنے والے پر پانچ سو روپے جرمانہ عائد کیا جائے گا اور مزارعے سے بیگار لینا زمیندار کا قانونی حق قرار دیا گیا۔ ہمیں ایک گروپ تشکیل دینا چاہیے اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے منتخب نمائندوں سے رابطے میں رہنا چاہیے۔

اسماعیل ڈومکی، صحافی

پاکستان میں انتخابات کے وقت ووٹ خریدے جاتے ہیں اور انتخابات شفاف نہیں ہوتے جس کے باعث عوام کے حقیقی نمائندے اسمبلیوں میں نہیں پہنچ پاتے۔ اسمبلیوں میں قانون سازی تو ہوتی ہے مگر اس پر عملدرآمد نہیں کیا جاتا۔ نواب شاہ کی ترقی کے لیے بہت زیادہ ترقیاتی فنڈز مختص کئے گئے مگر انہیں صرف نہ کیا گیا۔ اراکین پارلیمان کی کارکردگی انتہائی غیر تسلی بخش ہے۔

زوہیب زرداری، صحافی

ہمارے زیادہ تر منتخب نمائندے قابل لوگ نہیں ہیں۔ ریاست کے تمام اداروں میں بدعنوانی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کی کارکردگی مایوس کن ہے۔ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ سندھ اسمبلی نے رینجرز کے اختیارات کی منظوری کا قانون منظور کیا۔ اداروں اور شعبوں کو مضبوط کرنے کے لیے قانون سازی کی ضرورت ہے۔ اراکین پارلیمان اور صوبائی اسمبلی کو چاہیے کہ وہ کسی مسودہ قانون کی حمایت یا مخالف کرتے وقت عوام کے مفاد کو سامنے رکھیں۔ حکومت میں فوجی مداخلت ہے اور یہاں تک کہ صحافی بھی فوج کی منشاء کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ دہشت گردی پورے ملک میں ہے تو پھر آپریشن صرف کراچی میں ہی کیوں کیا جاتا ہے؟

ہمیں اپنے ملک میں بہتری کے لیے غیر جمہوری ذرائع کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے۔

محترمہ بشریٰ

(جینڈر جسٹس، پروگرام SAP-PK)

اس نظام میں خواتین کو رائے دہی کا حق حاصل نہیں ہے۔ انہیں صرف اپنے گھر والوں کی منشاء کے مطابق ووٹ کاسٹ کرنا پڑتا ہے۔ خواتین کو اس رجحان کے خلاف آواز اٹھانا پڑے گی۔

شہباب الدین

(کسان رہنما)

ہمارے ملک میں جمہوریت کی بجائے جاگیردارانہ نظام رائج ہے۔ ہمیں پینے کا صاف پانی دستیاب نہیں۔ ساٹھ فیصد سے زائد بجٹ فوج کو ملتا ہے جس کا آڈٹ نہیں کیا جاتا۔ سیاست میں فوج کی مداخلت ہے۔ ماضی میں بھی رہی جس کی وجہ سے بنگال الگ ہوا اور وہاں وسیع پیمانے پر قتل وغارت کی گئی۔ نواب شاہ میں پولیس اسٹیشنوں کے علاوہ بھی پولیس کے حراستی مراکز ہیں جہاں پولیس لوگوں کو غیر قانونی حراست میں رکھتی ہے۔

عبدالفتح رند

ہمیں منتخب نمائندوں سے اچھی کارکردگی دکھانے کا مطالبہ کرتے رہنا چاہیے۔ اگر ہم اپنی آواز بلند رکھیں گے تو ہمارے نمائندے بھی ہمارے حقوق کے تحفظ کے لیے فعال رہیں گے۔

مٹیاری 19 دسمبر، 2015

اراکین پارلیمان کی کارکردگی کو جانچنے اور منتخب نمائندوں کے ساتھ عوام کی رابطہ سازی بڑھانے کے حوالے سے منعقد کی گئی اس تقریب میں 95 افراد نے شرکت کی۔ مشاورت کا اہتمام ہالہ ٹاؤن میں واقع ایک مقامی ہال میں کیا گیا۔ ایسوسی ایٹ پریس آف پاکستان کے بیورو چیف صاحب خان خصوصی مقرر تھے۔ علاوہ ازیں انڈس فیوچر فاؤنڈیشن کے اصغر لغاری، مصنف اور انسانی حقوق کے کارکن اور ہیلتھ اینڈ نیوٹریشن ڈویلپمنٹ سوسائٹی (HANDS) کے ریجنل کوآرڈینیٹر عبدالرزاق عمرانی، سندھ سکھر سنگت کے سردار ایاز میمن، سندھ یونائیٹڈ پارٹی کے رہنما سید انور شاہ، قوم پرست سیاسی کارکن عبدالرشید ڈیتھو، ایچ آر سی پی کو کوآرڈینیٹر آکاش میمن، ہندو پنچائت کے ضلعی کوآرڈینیٹر تکسیم داس، نند لال، خواتین کے حقوق کی کارکن محترمہ صدوری اور دیگر نے تبادلہ خیال کیا۔ ایچ آر سی پی کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر اشوتھاما نے شرکاء کو ورکشاپ میں شرکت پر خوش آمدید کہا اور ورکشاپ کے مقاصد بیان کئے۔

صاحب خان کا کہنا تھا کہ اراکین پارلیمان عوام کے مسائل پر قانون سازی کی بجائے دیگر غیر ضروری امور پر توجہ مبذول کئے رکھتے ہیں۔ عبدالرزاق عمرانی نے کہا کہ دنیا میں سب سے اچھا سیاسی نظام جمہوریت ہے مگر یہ اچھی طرح کام نہ کر رہی ہو تو پرامن طریقے سے اس میں اصلاحات متعارف کروانی چاہئیں۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ دنیا کی متعدد قوموں نے جمہوریت کے ذریعے ہی ترقی کی ہے۔ سندھ میں نظم

> ہمارے ملک میں جمہوریت کی بجائے جاگیردارانہ نظام رائج ہے۔ ہمیں پینے کا صاف پانی دستیاب نہیں۔ ساٹھ فیصد سے زائد بجٹ فوج کو ملتا ہے جس کا آڈٹ نہیں کیا جاتا۔ سیاست میں فوج کی مداخلت ہے۔ ماضی میں بھی رہی جس کی وجہ سے بنگال الگ ہوا اور وہاں وسیع پیمانے پر قتل وغارت کی گئی۔ نواب شاہ میں پولیس اسٹیشنوں کے علاوہ بھی پولیس کے حراستی مراکز ہیں جہاں پولیس لوگوں کو غیر قانونی حراست میں رکھتی ہے۔

ونسق کی ناقص صورتحال دیکھ کر ہمیں جمہوری نظام کو پٹڑی سے اتارنے کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہمیں ووٹ کی طاقت سے نظام میں تبدیلی لانی چاہیے۔ لوگوں کو ووٹ کی اہمیت کا پتہ چلنا چاہیے اور انہیں سوچ سمجھ کر اس کا استعمال کرنا چاہیے۔ یہاں کی عوام بھی ترقی یافتہ ملکوں کی عوام کی طرح ووٹ کے بہتر استعمال سے تبدیلی لاسکتی ہے۔ آپ کی اپنی ذات ہی آپ کی تقدیر بدل سکتی ہے۔ ایچ آر سی پی کے کوآرڈینیٹر اشوتھاما کا کہنا تھا کہ اس مشاورت کا مقصد پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کے کردار پر تبادلہ خیال کرنا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنا تھا کہ ہمارے منتخب نمائندوں کے فرائض کیا ہیں اور پارلیمان میں قانون سازی کی کارروائی کس طرح انجام پاتی ہے۔ لوگوں کی جتنی زیادہ تعداد ان امور میں دلچسپی لے گی، ہمارا سیاسی نظام اتنا ہی بہتر چلے گا۔ اصغر لغاری کا کہنا تھا کہ عوام کو پارلیمان کی کارکردگی پر نظر رکھنی چاہیے اور یہ دیکھتے رہنا چاہیے کہ کیا پارلیمان اور صوبائی اسمبلیاں اپنے فرائض اچھی طرح انجام دے رہی ہیں کہ نہیں۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ عام آدمی کی فلاح و بہبود کے لیے سب سے بہتر نظام جمہوریت ہی ہے۔۔

لاڑکانہ 23 دسمبر، 2015

اراکین پارلیمان کی کارکردگی کو جانچنے اور منتخب نمائندوں کے ساتھ عوام کی رابطہ سازی بڑھانے کے حوالے سے اس تقریب کا اہتمام عبدالطیف نظامانی لیبر ہال میں کیا گیا جس میں 70 افراد نے شرکت کی جن میں مزدور، کسان، طالب علم، سیاسی کارکن اور انسانی حقوق کے کارکن شامل تھے۔ انسانی حقوق کی کارکن محترمہ خالدہ پیرزادہ نے مشاورت کے اغراض ومقاصد بیان کیے اور کہا کہ نشست کا بنیادی مقصد پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی کارکردگی سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے۔ ڈاکٹر اشوتھاما نے کہا کہ ایچ آر سی پی عام لوگوں کے حقوق کے تحفظ اور ان کے مسائل میں کمی لانے کے لیے کوشاں ہے اور آج کا پروگرام اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ کسان رہنما پنہل ساریو کا کہنا تھا کہ ہمارے آئین میں کئی خامیاں موجود ہیں جو لوگوں کے حقوق، خاص طور پر مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی خلاف ورزیوں کا سبب بن رہی ہیں۔ کسانوں، عورتوں، بچوں اور دیگر پسماندہ طبقوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جارہا مگر ریاست ذمہ دار عناصر کے خلاف کارروائی کرنے سے قاصر ہے۔ حکمران عوام کے مفاد کی بجائے اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کے لیے قانون سازی کر رہے ہیں جبکہ قانون نفاذ کرنے والے ادارے سیاسی معاملات میں بے جا مداخلت کر رہے ہیں۔ حکمرانوں اور رینجرز کے مابین اختیارات کے حصول کی جنگ جاری ہے جس سے عام آدمی متاثر ہو رہا ہے۔

معروف سماجی کارکن خالد چانڈیو کا کہنا تھا کہ 1970ء سے پہلے عام آدمی کو ووٹ کے استعمال کا حق حاصل نہیں تھا اور یہ استحقاق صرف ٹیکس ادا کرنے والوں کو حاصل تھا۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ 80 فیصد قوانین صدارتی آرڈیننس کے ذریعے بنائے جارہے ہیں جو کہ غیر جمہوری فعل ہے۔ اور گزشتہ دو برسوں میں ایک بھی عوام دوست قانون نہیں بن سکا۔ انہوں نے مزید کہا کہ سندھ میں ہونے والی حالیہ قانون سازی کے نفاذ کے لیے سیاسی قوت ارادی کی ضرورت ہے۔ سیاسی کارکن اور پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کے عہدیدار ڈاکٹر ذوالفقار رانجھو نے اپر سندھ میں بدامنی کی صورتحال پر افسوس کا اظہار کیا اور اس مسئلے کے حل کے لیے قانون سازی کی ضرورت پر زور دیا۔ ایڈووکیٹ غلام صابر جتوئی، لاڑکانہ سے ڈان ٹی وی کے رپورٹر سید جاوید شاہ، ایچ آر سی پی کے کوآرڈینیٹر مراد پندرانی اور ڈاکٹر منیر احمد شیخ سمیت دیگر نے بھی اظہار خیال کیا۔ حال ہی میں جبری گمشدہ ہونے والے سیاسی کارکن حافظ پیرزادہ کے اہل خانہ بھی مشاورت میں شریک تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ حافظ پیرزادو کی جبری گمشدگی اور بعدازاں اسے جیل میں ڈالنے کے بعد بھی قانون نافذ کرنے والے ادارے ان کے گاؤں پر چھاپے مارتے رہے جس کے خلاف انہوں نے احتجاج کیا مگر کسی رکن پارلیمان نے اس کا نوٹس نہیں لیا۔

(ڈاکٹر اشوتھاما، ایچ آر سی پی حیدرآباد چیپٹر)

جنوبی پاکستان میں خشک سالی، بچوں کی ہلاکتیں اور حقائق

ایک غیر سرکاری ادارے نے جنوبی پاکستان میں خشک سالی کے نتیجے میں ہونے والی بچوں کی ہلاکت پر قانونی کارروائی کا مطالبہ کر دیا ہے۔ اس علاقے میں خشک سالی چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہے۔ پائیلر کے مطابق سندھ میں جنوری سے اب تک ایک سو سے زائد بچے لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ غیر سرکاری تنظیم 'پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لیبر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ' (پائیلر) نے مطالبہ کیا ہے کہ جنوبی پاکستان میں خشک سالی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کے حل اور نوزائیدہ بچوں کی ہلاکتوں کو روکنے کے لیے زیادہ اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ اس تنظیم سے وابستہ شجاع قریشی نے ڈی پی اے کو بتایا ہے کہ صوبہ سندھ میں جنوری سے اب تک ایک سو سے زائد بچے لقمہ اجل بن چکے ہیں، ''ہمیں اس مسئلے کے حل کے لیے کوئی منصوبہ نظر نہیں آ رہا ہے۔'' شجاع قریشی نے کہا کہ ان کی تنظیم نے بائیس جنوری کو سندھ ہائی کورٹ سے رجوع کرتے ہوئے مطالبہ کیا تھا کہ ان کے ادارے کی طرف سے 2014ء میں دائر کی گئی اس درخواست پر ساعت شروع کی جائے، جس میں بچوں کی ہلاکتوں کے بارے میں حقائق جاننے پر زور دیا گیا تھا۔ بظاہر خشک سالی کی اس لہر کے نتیجے میں صوبہ سندھ کے صحرائی ضلع تھر پارکر میں بچوں کی اموات کی وجہ کم خوراکی اور ادویات کی قلت ہے۔ شجاع قریشی کہتے ہیں کہ سن 2014 میں بھی اس ضلع میں کم از کم ڈھائی سو بچے انہی مسائل کے باعث ہلاک ہوئے تھے۔ اس مسئلے کے حوالے سے حقائق جاننے کی کوششوں میں ماضی کی صوبائی حکومت نے بھی مزاحمت دکھائی تھی۔ کئی سیاستدان اس بحران کو سیاسی مقاصد کے لیے بھی استعمال کرتے رہے ہیں۔ دوسری طرف مقامی حکام کا کہنا ہے کہ میڈیا اس مسئلے کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا ہے۔ تھر پارکر کے ضلعی انتظامی افسر اللہ جوریہ نے ڈی پی اے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ جنوری سے اب تک چالیس نوزائیدہ بچے ہلاک ہوئے ہیں۔ یہ امر اہم ہے کہ ان ہلاکتوں کی درست تعداد کے بارے میں آزادانہ اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔ پاکستان میں نوائندہ بچوں کی ہلاکتوں کی شرح بہت زیادہ ہے۔ 1.5 ملین آبادی والے تھر پارکر کے لوگ عمومی طور پر انسانی حقوق کے اداروں سے متفق ہیں۔ ان کا بھی کہنا ہے کہ مسائل بڑے ہیں جبکہ حکومت انہیں نظر انداز کر رہی ہے۔ تھر پارکر کے رہائشی یوسف جرار نے ڈی پی اے کو بتایا کہ دو ہفتے قبل ہی اس کا چار ماہ کا بیٹا انتقال کر گیا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان کے گاؤں میں انہی ہفتوں کے دوران کئی گھرانوں نے اپنے نوازئیدہ بچوں کی تدفین کی ہے۔ خشک سالی کی اس لہر کے نتیجے میں تھر پارکر میں بچوں کی اموات کی بظاہر وجہ کم خوراکی اور ادویات کی قلت ہے۔ تھر پارکر میں خشک سالی کے نتیجے میں وہاں کے مقامی لوگوں کے روزگار کے مواقع بھی بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ پالتو جانوروں کے ہلاک ہونے کی وجہ سے بھی انہیں مسائل کا سامنا ہے۔ اس کے علاوہ مناسب خوراک اور غربت نے بھی اس علاقے کو جکڑ رکھا ہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ برے حالات کی تصویر کشی کر کے دراصل اس کو عدم استحکام کا شکار بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اللہ جوریہ نے ایسے الزامات کو مسترد کر دیا ہے کہ حکومت اس بحران کے نتیجے میں مناسب ردعمل ظاہر کرنے میں ناکام رہی ہے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ مقامی حکومت کے پاس نہ تو خوراک کی کمی ہے اور نہ ہی ادویات کی۔

(ڈی ڈبلیو اردو)

گمشدہ بچی کی لاش شادی ہال کے ٹینک سے برآمد

کراچی کراچی میں ایک شادی ہال کے ٹینک سے چھ سالہ بچی کی لاش ملنے کے بعد پولیس نے ہال کے مینیجر سمیت دس افراد کو حراست میں لے لیا۔ چھ سالہ پاکیزہ 25 جنوری کو گھر والوں کے ساتھ اورنگی ٹاؤن کے شادی ہال پہنچی اور بھیڑ میں کہیں گم ہو گئی۔ ورثا نے پولیس اسٹیشن میں پاکیزہ کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی اور ہر جگہ تلاش کیا لیکن بچی نہ مل سکی۔ سات دن بعد پولیس ورثا کے ہمراہ شادی ہال پہنچی اور شک ہونے پر پانی کا ٹینک کھلوایا تو بچی کی لاش ملی۔ لاش ملنے پر پاکیزہ کے نانا نے الزام لگایا کہ ان کی معصوم بچی کو ڈبو کر قتل کیا گیا لہٰذا سفاک ملزمان کے ساتھ بھی ایسا سلوک کیا جائے۔ لاش ملنے کے بعد مشتعل ورثا نے شادی ہال پر حملہ کرتے ہوئے اسے آگ لگانے کی کوشش کی لیکن رینجرز اور ریسکیو اداروں نے بروقت پہنچ کر شادی ہال کو تباہی سے بچا لیا۔ سندھ کے وزیر داخلہ نے ہلاکت کا نوٹس لیتے ہوئے ایس ایس پی ویسٹ سے رپورٹ طلب کر لی۔

(نامہ نگار)

گارڈز کی بھرتی کیلئے طالبات سے فیس وصولی

پشاور صوبہ خیبر پختونخوا کے سرکاری تعلیمی اداروں نے سیکیورٹی گارڈز بھرتی کرنے کے لیے طلبہ سے فیس وصول کرنا شروع کر دی ہے۔ واضح رہے کہ ضلع چارسدہ کی باچا خان یونیورسٹی پر حملے کے بعد درسگاہوں کی سیکیورٹی کے حوالے سے پولیس اور تعلیمی اداروں میں پریشانی پیدا ہو گئی ہے۔ حالیہ واقعے میں ڈیرہ اسمٰعیل خان کے گومل میڈیکل کالج نے نوٹس جاری کیا ہے کہ طالبات ہاسٹل کی حفاظت کی غرض سے سیکیورٹی گارڈ کی بھرتی کے لیے فیس جمع کرائیں۔ ڈان نیوز کو موصول ہونے والے گومل میڈیکل کالج کے نوٹس کی کاپی کے مطابق صوبے کے تعلیمی اداروں کو درپیش سیکیورٹی خطرات کے باعث کالج/ ہاسٹل انتظامیہ 30 جون 2016 تک گرلز ہاسٹل کے لیے سیکیورٹی گارڈ بھرتی کرنے جا رہی ہے، جس کے لیے ہاسٹل کی تمام طالبات کو 7 دن کے اندر 500 روپے (ماہانہ 100 روپے) جمع کروانے کا کہا گیا۔ پشاور کے ایک اسکول ہیڈ ماسٹر نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ ہمیں سیکیورٹی انتظامات کرنے کو کہا گیا، جن میں اسکول کی باؤنڈری وال کی تعمیر، خاردار تاروں اور سی سی ٹی کیمروں کی تنصیب بھی شامل ہے، لیکن ہم یہ سب کیسے کر سکتے ہیں؟ ہیڈ ماسٹر نے سوال کیا کہ وزارت تعلیم کیا کر رہی ہے؟ 'ہم نے فنڈز کے لیے درخواست دی لیکن ہمیں درکار فنڈز فراہم نہیں کیے گئے۔ مناسب سیکیورٹی کا انتظام نہ کرنے والے تعلیمی اداروں کے خلاف کارروائی کے حوالے سے مذکورہ ہیڈ ماسٹر کا کہنا تھا کہ 'وہ صرف اپنی ذمہ داریوں سے پیچھا چھڑا رہے ہیں۔ واضح رہے کہ خیبر پختونخوا کے ہائر ایجوکیشن کے وزیر مشتاق غنی گذشتہ 10 سے بیرون ملک دورے پر ہیں، ان کی غیر موجودگی میں صوبائی حکومت کے ترجمان شوکت یوسفزئی کا کہنا تھا کہ حکومت نے سیکیورٹی کے لیے طلبہ سے فیس وصول کرنے کی ہدایات جاری نہیں کیں۔ شوکت یوسفزئی کا کہنا تھا کہ یونیورسٹیز اور کالجز خود مختار ہیں لیکن سیکیورٹی گارڈز کا خرچہ حکومت برداشت کر رہی ہے۔ رواں ماہ 20 جنوری کو چارسدہ کی باچا خان یونیورسٹی پر حملے کے بعد سے ملک بھر کے تعلیمی اداروں کی سیکیورٹی مزید سخت کر دی گئی ہے، 16 دسمبر 2014 کو پشاور میں فوج کے زیر انتظام چلنے والے اسکول آرمی پبلک اسکول اینڈ کالج پر دہشت گردوں نے حملہ کیا تھا، جس کے نتیجے میں 132 بچوں سمیت 150 کے قریب افراد جان کی بازی ہار گئے تھے۔ تعلیمی اداروں پر حملوں کے بعد حکومت کی جانب سے تمام سرکاری و پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو ہدایت کی گئی کہ وہ طلبہ کی سیکیورٹی کو یقینی بنائیں۔ (انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

وادی لاس پور میں ہونے والے نقصانات

تعارف

وادی لاس پور شہر چترال کے شمال میں 135 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ وادی ضلع چترال کی تحصیل مستوج میں سطح سمندر سے 2800 سے 3700 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ وادی شمال میں درہ شندور کے ذریعے گلگت بلتستان کے ضلع غذر سے متصل ہے۔ جنوب میں یہ وادی درہ کچی کنی (15,636 فٹ) کے ذریعے سوات کے ساتھ منسلک ہے۔ شندور کا میدان وادی کے عین مشرق میں واقع ہے۔ لاس پور کی مقامی برادریاں شندور کے میدان کو موسم گرما کے دوران چراگاہ کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ یہ وادی دس دیہات پر مشتمل ہے۔ یہاں تقریباً 1,750 گھر ہیں جن میں 12,000 کے قریب افراد رہائش پذیر ہیں۔ مردوں اور خواتین کا تناسب بالترتیب 51 اور 49 فیصد ہے۔ مردوں میں شرح خواندگی 38 فیصد اور خواتین میں 21 فیصد ہے۔

وادی کے دیہات میں گھروں اور آبادی سے متعلق تفصیلات مندرجہ ذیل جدول میں بیان کی گئی ہیں۔

جدول **1**: آبادی

نمبر شمار	گاؤں کا نام	گھروں کی تعداد	مرد	خواتین	کل آبادی
1	گشت	260	800	760	1,560
2	رامن	500	1,550	1,450	3,000
3	ہرچین	300	880	920	1,800
4	بروک	225	675	675	1,350
5	بالم	285	865	845	1,710
6	سورلاسپور	375	1,250	1,000	2,250
کل		1,945	6,020	5,650	11,670

وادی میں غربت کی شرح بہت زیادہ ہے۔ لوگوں کی اکثریت غیر ہنرمند ہے اور وہ کم منافع بخش پیشوں سے وابستہ ہے جن میں مال مویشی اور زراعت شامل ہے۔ تعلیم، ہنر اور پیداوار کی لحاظ سے انسانی اثاثوں کی صورتحال حوصلہ افزا نہیں ہے۔ مقامی برادریوں خاص طور پر خواتین اور دیگر محروم طبقات کی صحت کی صورتحال بھی کافی غیر اطمینان بخش ہے۔ علاقے کے آمدن اور پیشوں کے ذرائع ملی جلی تصویر پیش کرتے ہیں۔ مویشیوں کی افزائش اور زراعت آمدن کے اہم ذرائع ہیں۔ ملازمت، مزدوری، مقامی تجارتی سرگرمیوں وغیرہ کا بھی مقامی معیشت میں اہم کردار ہے۔ اضافی آمدن دستکاریوں، مویشیوں، مویشیوں سے حاصل ہونے والی مصنوعات جیسے کہ جانوروں کی کھال، قالین، پٹی اور جانوروں کی اون سے بنی رسی کی مقامی سطح پر تجارت سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ سیاحتی سرگرمیاں سال کے محدود عرصے اور آبادی کے محدود حصے کے لئے ذریعہ معاش کی کمی کو پورا کرتی ہیں۔ مختلف سرکاری شعبوں اور این جی اوز میں ملازمت بھی روزگار کے قلیل ذرائع پیدا کرتی ہے۔

وادی میں غربت کی شرح بہت زیادہ ہے۔ لوگوں کی اکثریت غیر ہنرمند ہے اور وہ کم منافع بخش پیشوں سے وابستہ ہے جن میں مال مویشی اور زراعت شامل ہے۔ تعلیم، ہنر اور پیداوار کی لحاظ سے انسانی اثاثوں کی صورتحال حوصلہ افزا نہیں ہے۔ مقامی برادریوں خاص طور پر خواتین اور دیگر محروم طبقات کی صحت کی صورتحال بھی کافی غیر اطمینان بخش ہے۔ علاقے کے آمدن اور پیشوں کے ذرائع ملی جلی تصویر پیش کرتے ہیں۔ مویشیوں کی افزائش اور زراعت آمدن کے اہم ذرائع ہیں۔ ملازمت، مزدوری، مقامی تجارتی سرگرمیوں وغیرہ کا بھی مقامی معیشت میں اہم کردار ہے۔ اضافی آمدن دستکاریوں، مویشیوں، مویشیوں سے حاصل ہونے والی مصنوعات جیسے کہ جانوروں کی کھال، قالین، پٹی اور جانوروں کی اون سے بنی رسی کی مقامی سطح پر تجارت سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ سیاحتی سرگرمیاں سال کے محدود عرصے اور آبادی کے محدود حصے کے لئے ذریعہ معاش کی کمی کو پورا کرتی ہیں۔ مختلف سرکاری شعبوں اور این جی اوز میں ملازمت بھی روزگار کے قلیل ذرائع پیدا کرتی ہے۔

مال مویشی مقامی برادریوں کے لئے کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ مقامی معیشت میں مال مویشیوں کا حصہ 60 فیصد سے زائد ہے۔ مویشی نہ صرف گھر میں گوشت اور دودھ کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے پالے جاتے ہیں بلکہ ان سے آمدن بھی حاصل ہوتی ہے۔ آمدن مویشیوں کی بلاواسطہ تجارت اور مویشیوں سے حاصل ہونے والی مصنوعات سے حاصل ہوتی ہے۔

جدول **2**: وادی لاسپور میں جانوروں کی تعداد

گاؤں کا نام	گائے	یاک	بکریاں	بھیڑیں
غوست	600	0	1,300	1,250
رامن	900	80	3,000	2,520
ہرچین	850	149	1,500	1,100
بروک	730	120	1,100	1,200
بالم	870	415	1,270	1,300
سورلاسپور	1,040	730	2,130	2,370
کل	4,950	1,469	10,300	9,740

2۔قدرتی آفات کی جائزہ

26 اکتوبر کو چترال میں 8.1 شدت کا زلزلہ آیا۔ یونائیٹڈ اسٹیٹس جیولاجیکل سروے (یو ایس جی ایس) کے مطابق زلزلے کا مرکز افغانستان میں کوہ ہندوکش میں 196 کلومیٹر گہرائی میں تھا۔ چترال ارتعاشی پٹی پر واقع ہے اس لئے اسے اکثر درمیانے اور اونچے درجے کے زلزلوں کا سامنا رہتا ہے۔ عمارتوں کے ناقص معیار کی وجہ سے وسیع پیمانے پر تباہی ہوئی۔

3۔زلزلے سے ہونے والے نقصانات

شندور ایریا ڈویلپمنٹ کنزرویشن اینڈ ویلفیئر آرگنائزیشن (ایس اے ڈی سی ڈبلیو او) کی جانب سے تیار کی گئی رپورٹ کے مطابق لاسپور میں تقریباً 268 گھر مکمل طور پر تباہ ہوئے اور 621 گھروں کو جزوی نقصان پہنچا (جدول 3)۔ اس جائزے سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ مویشیوں کے 421 باڑے جزوی طور پر اور 582 مکمل طور پر تباہ ہوئے (جدول 3)۔ لاسپور کے لوگوں کا زیادہ تر انحصار مویشیوں کی افزائش پر ہے اور یہ ان کی آمدن کا بنیادی ذریعہ ہے۔ سروے کے دوران مرنے والے جانوروں کے کوائف بھی حاصل کئے گئے۔ یہ کوائف ظاہر کرتے تھے کہ زلزلے کے باعث 148 بکریاں، 94 یاک، 41 گائے، اور 48 بھیڑیں ہلاک ہوئیں (جدول 4)۔ سروے میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ زلزلے کی وجہ سے 50 کلومیٹر طویل رابطہ سڑک اور آبپاشی کے لئے استعمال ہونے والی آبی گزرگاہوں کو شدید نقصان پہنچا (جدول 5)۔ لاسپور کے زیادہ تر علاقوں میں پینے کا صاف پانی مہیا کرنے والی سکیموں کو بھی نقصان پہنچا

جس کی وجہ سے لوگوں کو پانی کی قلت کا سامنا کرنا پڑا۔

جدول 3: گھروں اور مویشیوں کے باڑوں کو ہونے والے نقصانات

نمبر شمار	لاسپور کے دیہات	جزوی طور پر تباہ ہونے والے گھروں کی تعداد	مکمل طور پر تباہ ہونے والے گھروں کی تعداد	مویشیوں کے جزوی طور پر تباہ ہونے والے باڑوں کی تعداد	مویشیوں کے مکمل طور پر تباہ ہونے والے باڑوں کی تعداد
1	سورلاسپور	221	80	167	233
2	بالم	96	91	92	120
3	بروک	115	32	32	72
4	رامن	35	19	72	78
5	ہرچین	118	41	45	62
6	گشت شیداس	36	05	28	17
	کل	**621**	**268**	**436**	**582**

جدول 4: زلزلے کے باعث مرنے والے جانوروں کی تعداد

نمبر شمار	گاؤں کا نام	بھیڑیں	بکریاں	یاک	گائے
1	سورلاسپور	30	20	50	6
2	بالم	10	12	15	4
3	بروک	0	40	12	3
4	رامن	0	16	14	5
5	ہرچین	8	70	3	3
	کل	**48**	**158**	**94**	**21**

جدول 5: رابطہ سڑکوں اور نہروں کو ہونے والے نقصانات

نمبر شمار	گاؤں کا نام	نہریں (کلومیٹر)	رابطہ سڑکیں (کلومیٹر)
1	سورلاسپور	8	20
2	بالم	10	15
3	بروک	4	5
4	رامن	4	5
5	ہرچین	4	5
	کل	**30**	**50**

4۔فوری ردعمل

زلزلے کے دوران مختلف سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں نے لاسپور کے لوگوں کو فوری امداد فراہم کی۔انہوں نے متاثرین کو کھانے پینے کی اشیاء، کچن کا سامان، کمبل، خیمے، عارضی رہائش اور نقد رقوم فراہم کیں۔ان تنظیموں کی جانب سے فراہم کی گئی امداد کی تفصیلات جدول نمبر 6 میں دی گئی ہیں۔

جدول 6: حکومت / این جی اوز کی طرف سے فراہم کی گئی امداد

نمبر شمار	سرکاری/ غیر سرکاری تنظیم کا نام	امداد کی تفصیلات	ریمارکس
1	حکومت پاکستان/ ضلعی انتظامیہ	نقد رقم	مکمل طور پر تباہ ہونے والے گھروں کے لئے دو لاکھ روپے اور جزوی طور پر تباہ ہونے والے گھروں کے لئے ایک لاکھ روپے۔
2	فوکس پاکستان	خیمے، کھانے پینے کی اشیاء، کچن کا سامان	مکمل طور پر تباہ ہونے والے گھروں کے لئے
3	کراچی ریلیف ٹرسٹ	عارضی رہائش	مکمل اور جزوی طور پر تباہ ہونے والے گھروں کے لئے
4	ہلال احمر	نقد رقم	مکمل طور پر تباہ ہونے والے چند گھروں کے لئے 12,000 روپے
5	اسلامی ریلیف فنڈ	کمبل	جزوی اور مکمل طور پر تباہ ہونے والے گھروں کے لئے
6	کیتھولک ریلیف سروسز	نقد رقم	مکمل اور جزوی طور پر تباہ ہونے والے گھروں کے لئے 15,000 روپے
7	فدا فاؤنڈیشن	کمبل اور خیمے	مکمل طور پر تباہ ہونے والے گھروں کے لئے
8	ورلڈ فوڈ پروگرام	گھروں کی مرمت کے لئے نقد رقم	یومیہ اجرت کی بنیاد پر مکمل اور جزوی طور پر تباہ ہونے والے گھروں کی مرمت کے لئے نقد رقوم کی فراہمی
9	کنسرن ورلڈ وائڈ	کمبل	مکمل طور پر تباہ ہونے والے گھروں کے لئے
10	امن فاؤنڈیشن پاکستان	کمبل اور سویٹر	مکمل اور جزوی طور پر تباہ ہونے والے گھروں کے لئے
11	عمران خان فاؤنڈیشن پاکستان	خیمے اور کمبل	مکمل طور پر تباہ ہونے والے گھروں کے لئے

5۔ضروریات اور خامیاں

زلزلے کے بعد لاسپور کی ضروریات اور امدادی کاموں میں پائی جانے والی خامیاں درج ذیل ہیں:

☆ جزوی اور مکمل طور پر تباہ ہونے والے گھروں کی تعمیر کے لئے ایسا تعمیراتی سامان فراہم کیا جائے جو زلزلوں کا مقابلہ کر سکے۔

☆ لاسپور کی معیشت کا زیادہ تر انحصار مویشیوں کی افزائش پر ہے اور حالیہ زلزلے کے باعث جانوروں کے تقریباً 90 فیصد باڑے تباہ ہوئے۔اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ زلزلوں کا مقابلہ کرنے والا تعمیراتی سامان اور جانوروں کے لئے ادویات اور چارہ مہیا کیا جائے۔

> حالیہ زلزلے کے باعث رابطہ سڑکیں اور آبپاشی والی نہروں کو شدید نقصان پہنچا۔ان کی مرمت کی جائے یا پھر ان کی حالت کے پیش نظر انہیں دوبارہ تعمیر کیا جائے۔

☆ حالیہ زلزلے کے باعث رابطہ سڑکیں اور آبپاشی والی نہروں کو شدید نقصان پہنچا۔ان کی مرمت کی جائے یا پھر ان کی حالت کے پیش نظر انہیں دوبارہ تعمیر کیا جائے۔

☆ لاسپور کے زیادہ تر علاقوں میں پینے کے پانی کی سکیموں کو نقصان پہنچا جس کی وجہ سے لوگوں کو پانی کی قلت کا سامنا ہے۔ان اسکیموں کو بحال کرنا بہت ضروری ہے۔

☆ مقامی آبادی کو زلزلے کے بارے میں آگہی فراہم کرنے کے لئے ورکشاپس اور تربیت کا اہتمام کیا جائے۔

☆ علاقے میں زلزلے کے حوالے سے ایک ریسپانس سیل قائم کیا جائے اور انہیں ضروری آلات اور تربیت فراہم کی جائے۔

☆ سطح سمندر سے 2,800 سے 3,700 میٹر بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے یہاں کا موسم کافی سرد رہتا ہے اور اس سال کم سے کم درجہ حرارت منفی 13 سینٹی گریڈ ریکارڈ کیا گیا۔وادی کی شدید موسمی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجیحی بنیادوں پر گرم کپڑے اور کمبل فراہم کئے جائیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ایس اے ڈبلیو ڈبلیو او)

لاہور اورنج لائن میٹرو ٹرین؛ مسائل، خدشات اور تجاویز

پس منظر:

ایک کروڑ دس لاکھ نفوس پر مشتمل تاریخی شہر لاہور آبادی کے بے پناہ دباؤ کے باعث بے پناہ مسائل کا شکار ہے۔ اپنے باغات، تاریخی مقامات اور دورویہ سبزہ زاروں کے لیے معروف اس شہر کو اب بڑھتی ہوئی ٹریفک اور آبادی کے لیے شہری سہولیات اور آمدورفت کے بہتر نظام کی ضرورت ہے۔ دستیاب سہولیات پر دباؤ کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ 2006 میں لاہور میں مختلف ذرائع سے سفر کرنے والوں کی روزانہ تعداد ایک کروڑ پینتیس لاکھ کے لگ بھگ ہو چکی تھی اور اس تعداد میں آئے روز اضافہ ہو رہا ہے۔ لاہور واسیوں کی روزانہ آمدورفت کے لیے ایک جامع اور مربوط نظام کی ضرورت 1990 سے محسوس کی جا رہی ہے۔ اس سلسلے میں حکومت پنجاب نے 2005 میں لاہور میں ایک تیز رفتار عوامی ٹرانزٹ نظام کی تعمیر کے لیے ایم وی اے ایشیا کے تعاون سے ایک تحقیق کا انعقاد کرایا تھا۔ اس تحقیقی مطالعے میں ایم وی اے نے چار بنیادی اور مربوط راستوں (گرین، اورنج، بلیو، پرپل) کی تعمیر کی تجویز پیش کی۔ ترجیحی بنیادوں پر تعمیر کیے جانے والے دو راستوں کی تعمیر کے لیے درکار لاگت اور آمدن کے بنیادی تخمینے بھی اس تحقیق کا حصہ تھے۔

گرین میٹرو لائن منصوبہ، گجومتہ تا شاہدرہ 27 کلومیٹر طویل ریل گزرگاہ پر مشتمل تھا۔ اس راستے کا 15.5 کلومیٹر طویل راستہ پُل کی صورت میں جبکہ 11.5 کلومیٹر ٹکڑا زیرِ زمین تعمیر کیے جانے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ گرین میٹرو لائن منصوبے کے تحت روزانہ 380,000 مسافروں کو سفر کی سہولیات فراہم کی جانی تھیں۔ تاہم (مسلم لیگ نواز کی حکومت نے) اسے زیرِ زمین ٹرین کی بجائے مکمل طور پر پُل اور سطحِ زمین پر چلنے والی بسوں کے منصوبے میں بدل دیا۔ اس تبدیلی کی وجہ سے داتا دربار، بادشاہی مسجد، گورنمنٹ کالج اور کربلا گامے شاہ جیسے تاریخی مقامات کا بیرونی منظر تعمیرات کی نذر ہو گیا۔ اس منصوبے کی تعمیر سے پیدل سڑک پار کرنے والوں کے لیے راستہ پُرخطر ہوا ہے، ٹریفک بدنظمی کا شکار ہوئی ہے اور ٹریفک کے ایک جگہ ارتکاز کی وجہ سے صوتی آلودگی، دھوئیں کی بہتات اور جائیداد کی قیمتوں میں کمی جیسے مسائل بھی سر اٹھانے لگے ہیں۔ ٹرین کی بجائے بسوں کے استعمال کی وجہ سے اس منصوبے کی استعداد 60 ہزار مسافر فی گھنٹہ سے کم ہو 25000 ہزار مسافر فی گھنٹہ ہو گئی ہے۔ اس تبدیلی کے باعث پورے شہر کے اہم مقامات کو ملانے والے ایک مربوط اور جامع نظامِ آمدورفت کی تعمیر کا معاملہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا ہے۔

اورنج میٹرو لائن کا 27 کلومیٹر طویل راستہ علی ٹاؤن سے شروع ہو کر ڈیرہ گجراں تک تعمیر کیا جانا ہے۔ 2006 میں کیے جانے والے تحقیقی مطالعے کے تحت اس کا 20 کلومیٹر حصہ پُل کی صورت میں جبکہ تاریخی مقامات اور آبادیوں کے قریب سے گزرنے والا راستہ نقصان کی شدت کم کرنے کے لیے زیرِ زمین تعمیر کیا جانا تھا۔ تاہم اب اس منصوبے کا نقشہ بھی تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ترمیم شدہ منصوبے کے تحت 7 کلومیٹر طویل سرنگ کی بجائے اس راستے کا محض 1.7 کلومیٹر حصہ جزوی طور پر زیرِ زمین تعمیر کیا جائے گا (لاگت کم کرنے کے لیے اس مقصد کے لیے انڈر کٹ اینڈ کور ٹیکنالوجی استعمال کی جائے گی) جبکہ بقیہ 25.4 کلومیٹر طویل راستہ بذریعہ پُل طے کیا جائے گا۔ منصوبے میں ان غیر دانشمندانہ ترامیم کی وجہ سے چوبرجی جیسی تاریخی عمارات کو شکست و ریخت کے خطرے کا سامنا ہے، گلابی باغ جیسے مقامات کے پس منظر میں چلے جانے کا اندیشہ ہے اور کپورتھلہ اور پیراشوٹ کالونی جیسی قدیم آبادیاں نقل مکانی پر مجبور ہو جائیں گی۔ اس منصوبے کی زد میں آنے والی عمارات میں موج دریا جیسے مزارات اور سینٹ اینڈریوز چرچ نابھا روڈ جیسی اقلیتی عبادگاہیں بھی شامل ہیں۔ منصوبے میں کی گئی ترامیم کی وجہ سے اس کی افادیت بھی کم ہو کر 25000 تا 30000 مسافر فی 2 گھنٹہ رہ جائے گی۔ اس منصوبے کی تکمیل کا عرصہ جولائی 2015 تا ستمبر 2017 متعین کیا گیا ہے۔ درج ذیل سرکاری ادارے بھی اس منصوبے میں شریک ہیں:

نیس پاک نے اس راستے کا پی سی ون (پلاننگ کمیشن فارم نمبر 1) تیار کیا۔ اس فارم کی جانچ پڑتال پنجاب میٹرو بس اتھارٹی نے کی اور سیکرٹری ایچ یو ڈی اینڈ پی ایچ ای، سیکرٹری ٹرانسپورٹ اور چیئرمین پی اینڈ ڈی نے اس کی منظوری دی۔ اس منصوبے کی لاگت سرکاری طور پر 170.5 ارب روپے (1.64 ارب ڈالر) بتائی گئی ہے جبکہ اس کے لیے درکار فنڈز 182 ارب روپے (1.75 ارب ڈالر) ہیں۔

پرپل لائن: 19 کلومیٹر طویل یہ مجوزہ منصوبہ داتا دربار سے لاہور ایئرپورٹ تک تعمیر کیا جانا ہے۔ اس راستے کے ذریعے داتا دربار، ریلوے سٹیشن، گڑھی شاہو، باغبانپورہ اور ائرپورٹ کو آپس میں ملایا جائے گا۔

بلیو لائن: 24 کلومیٹر طویل یہ راستہ جناح ہال سے گرین ٹاؤن تک تعمیر کرنے کی سفارش کی گئی ہے جس کے ذریعے میانی صاحب، لاہور کالج، کینیئر ڈ کالج، علامہ اقبال میڈیکل کالج، کلمہ انٹرچینج، برکت مارکیٹ اور ٹاؤن شپ جیسے علاقے ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جائیں گے۔

ترمیم شدہ اورنج لائن منصوبے سے وابستہ مسائل

لاگت کا موازنہ:

لاہور میٹرو منصوبے پر چھ کروڑ پانچ ہزار ایک سو ڈالر (60.51 ملین ڈالر) فی کلومیٹر خرچ آئے گا جبکہ جکارتہ میں بننے والے میٹرو ریپڈ ٹرانزٹ سسٹم پر 75 لاکھ ڈالر فی کلومیٹر 4 (7.5 ملین ڈالر) لاگت صرف کی گئی تھی۔

اعلانیہ لاگت اور اصل لاگت میں فرق:

اورنج لائن کی تعمیر کے لیے سرکاری طور پر اعلان کیے جانے والی لاگت میں قرض پر ادا کیا جانے والا سود، زمین خریدنے کی لاگت، منصوبے کی زد میں آنے والی سرکاری عمارات کی تعمیر و مرمت اور عوامی مقامات کے تصرف کی لاگت شامل نہیں ہے۔ حکومت کی جانب سے بیان کردہ لاگت میں شہری سہولیات کی منتقلی جیسے بجلی، پانی، نکاسی آب کی لائنوں کی منتقلی کے اخراجات بھی شامل نہیں کیے گئے۔ اورنج لائن کی تعمیرات کے باعث پس منظر میں چلے جانے والے

گرین میٹرو لائن منصوبہ، گجومتہ تا شاہدرہ 27 کلومیٹر طویل ریل گزرگاہ پر مشتمل تھا۔ اس راستے کا 15.5 کلومیٹر طویل راستہ پُل کی صورت میں جبکہ 11.5 کلومیٹر ٹکڑا زیرِ زمین تعمیر کیے جانے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ گرین میٹرو لائن منصوبے کے تحت روزانہ 380،00 مسافروں کو سفر کی سہولیات فراہم کی جانی تھیں۔ تاہم (مسلم لیگ نواز کی حکومت نے) اسے زیرِ زمین ٹرین کی بجائے مکمل طور پر پُل اور سطحِ زمین پر چلنے والی بسوں کے منصوبے میں بدل دیا۔ اس تبدیلی کی وجہ سے داتا دربار، بادشاہی مسجد، گورنمنٹ کالج اور کربلا گامے شاہ جیسے تاریخی مقامات کا بیرونی منظر تعمیرات کی نذر ہو گیا۔

تاریخی مقامات سے سیاحت کی صنعت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، سیر و سیاحت کی صنعت کو ہونے والے یہ نقصانات بھی اس میزانیے کا حصہ نہیں ہیں۔ زیر زمین حصے کے گرد موجود عمارات کو مستحکم کرنے پر اٹھنے والے اخراجات اور آبادیوں کی نقل مکانی سے پہنچنے والے سماجی نقصانات کو بھی اس لاگت میں شامل نہیں کیا گیا۔ بلند اور متغیر شرح سود اس منصوبے کے لیے چین سے 166.4 ارب روپے یعنی 1.6 ارب ڈالر قرض 3 فیصد سالانہ شرح سود پر قرض حاصل کیا جائے گا۔ یہ قرض 20 سال کی مدت کے لیے لیا جائے گا۔ چینی کمپنی NORINCO اس منصوبے کے لیے ریل گاڑیاں اور دیگر متعلقہ ساز و سامان مہیا کرے گی جس پر 104 ارب روپے یعنی ایک ارب ڈالر کے لگ بھگ رقم خرچ ہوگی۔ تعمیرات کا کام مقامی ٹھیکیداروں کی مدد سے کیا جائے گا جس پر 62.4 ارب روپے یعنی 0.6 ارب ڈالر خرچ آئے گا۔ منصوبے میں شریک تمام اداروں کو چینی حکومت براہ راست ادائیگیاں کرے گی۔ اس قرض پر سود کی مد میں 3 فی صد سالانہ کی شرح سے پہلے برس 5.48 ارب روپے (52.76 ملین ڈالر) جبکہ بعد ازاں 2.4 فی صد کی شرح سے 4.38 ارب روپے (42.21 ملین ڈالر) ادا کیے جائیں گے۔

ماحول پر منفی اثرات:

اس منصوبے کے ماحول پر بے حد شدید اثرات مرتب ہوں گے۔ شہری علاقوں میں شور اور درجہ حرارت میں اضافہ ہوگا۔ ماحولیاتی گرماؤ اور شہری علاقوں میں حرارت کے محبوس ہونے کی وجہ سے لاہور کے درجہ حرارت میں 6 سے 8 درجے سینٹی گریڈ اضافے کا خدشہ ہے۔ اس منصوبے کی تعمیر کے نتیجے میں درختوں کی کٹائی اور کھلی جگہوں پر کنکریٹ کی تعمیرات سے ان منفی اور مضر ماحولیاتی اثرات کی شدت میں اضافہ ہوگا۔

صحت عامہ کے مسائل

اس منصوبے کے نتیجے میں لاہوریوں کی صحت پر مرتب ہونے والے فوری اور دوررس اثرات کا درست اندازہ تا حال نہیں لگایا گیا۔ گزشتہ برس کراچی شہر میں حرارت کے محبوس ہو جانے سے ہونے والی اموات کی ایک بھیانک مثال دیکھ چکے ہیں۔ اگر اس منصوبے کی تعمیر سے پہلے صحت عامہ پر اثرات کا مکمل جائزہ نہ لیا گیا تو لاہور میں بھی ایسی صورت حال پیش آ سکتی ہے۔

اورنج لائن جیسے منصوبوں کی تعمیر کے نتیجے میں پُلوں کے نیچے کاربن مونو آکسائیڈ، سلفر ڈائی آکسائڈ اور دھاتی ذرات سے لبریز ہوا ٹھہر کر اکٹھی ہو جاتی ہے، یہ آلودہ ہوا کینسر کا باعث بنتی ہے۔ ایسی ہوا میں زیادہ دیر سانس لینے سے انسانی ڈی این اے کو مستقل نقصان پہنچ سکتا ہے۔ آلودگی کی یہ خطرناک ترین صورت انسانی خون میں شامل ہو کر پھیپھڑوں کو متاثر کرتی ہے اور امراض قلب کا باعث بنتی ہے۔ 9 یورپی ممالک کے 312,944 افراد پر کی گئی ایک تحقیق کے مطابق اس آلودگی کی قلیل مقدار بھی خطرناک نتائج مرتب کر سکتی ہے۔ اس قسم کی آلودگی میں معمولی اضافہ بھی کینسر میں مبتلا ہونے کے امکانات بڑھا دیتا ہے۔ لاہور میں فضائی آلودگی کا تناسب پہلے ہی عالمی معیارات سے بے حد زیادہ ہے، اورنج لائن جیسے منصوبوں کی بے دریغ تعمیر صحت عامہ کی صورت حال کو مزید مخدوش بنا سکتی ہے۔

تاریخی مقامات کو لاحق خطرات

شالامار باغ، چوبرجی، لکشمی اور موج دریا جیسے 25 کے قریب تاریخی مقامات اس منصوبے کی زد میں آ کر منہدم کیے جانے یا متاثر ہونے کے خدشے سے دوچار ہیں۔ یہ مقامات تاریخی ورثہ قرار دیئے گئے ہیں جس کا مطلب ہے کہ ان کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں حکومت کنونشن برائے عالمی ورثہ نیشنل ایکویٹیز ایکٹ اور پنجاب سپیشل پرمیسز آرڈیننس جیسے عالمی اور ملکی قوانین کی خلاف ورزی سے بھی گریزاں نہیں۔ زیر زمین راستے کے گرد موجود عمارات کے استحکام اور بنیادوں کو مضبوط کرنے کا معاملہ منصوبے کی تیاری اور لاگت کے تخمینے میں سرے سے شامل ہی نہیں کیا گیا۔ مغل عہد کی بہت سی یادگاریں اس منصوبے کی تعمیرات کے پس منظر میں چھپ جائیں گی اور ان کی خوبصورتی اور شان و شوکت ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جائے گی۔

منصوبے سے بے گھر ہونے والے افراد

سرکاری تخمینے کے مطابق اورنج منصوبے کے لیے 1000-1200 کنال زمین خریدی جائے گی۔ زمین کے حصول، معاوضے کے تعین اور بروقت ادائیگی کے سلسلے میں واضح طریق کار کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہزاروں لوگ بے گھر ہو جائیں گے۔ اورنج لائن شہر کے گنجان ترین علاقوں جہاں اعداد و شمار کے مطابق 9000 سے 31000 افراد فی مربع کلومیٹر رہائش پذیر ہیں، سے ہو کر گزرے گی۔ صرف پرانی انارکلی میں واقع کپور تھلہ ہاؤس (جہاں اس منصوبے کے 26 میں سے ایک اسٹیشن تعمیر کیا جائے گا) میں ہی 2700 ووٹرز رہائش پذیر ہیں اور ہر خاندان اوسطاً 8 افراد پر مشتمل ہے۔

ذرائع روزگار اور کاروباری مراکز کی تباہی

اس منصوبے کی وجہ سے ہزاروں خوانچہ فروش، ٹھیلے والے، چھوٹے دکاندار اور کاروبار متاثر ہوں گے۔ چوبرجی چوک، جین مندر، لکشمی اور شالامار جیسے مصروف تجارتی علاقوں میں پلازے اور دکانیں بھی اورنج لائن کی زد میں آ جائیں گے۔ ان دکانوں کے ملازمین اور چھوٹے موٹے کاروبار چلانے والے ہزاروں افراد منصوبے کے نتیجے میں پہنچنے والے نقصان کی تلافی کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

شہری اور عوامی مقامات کی تباہی:

منصوبے کے راستے میں آنے والی آبادیاں کھیل کے کئی میدانوں، سکولوں، مساجد، ہسپتالوں اور کلینکوں سے محروم ہو جائیں گی۔ شمالی لاہور کے 200 خاندانوں کے معذور بچوں کو تدریس کی سہولیات فراہم کرنے والا خصوصی بچوں کا سکول بھی گرائے جانے کے لیے نشان زد کیا گیا ہے۔

ضابطہ کار کی خلاف ورزی اور انتظامی بے قاعدگیاں:

پی سی ون میں منصوبے کی لاگت کم کرنے کے لیے کی گئی دانستہ بے ضابطگیاں (جن کا بیان اوپر کیا جا چکا ہے) اس منصوبے کی شفافیت پر سوال اٹھاتی ہیں۔ منصوبے کے پی سی ون میں کئی ضروری اخراجات شامل نہیں کیے گئے۔ سرکاری سطح پر 166.4 ارب روپے کے قرض اور سالانہ بجٹ میں مختص کیے گئے 10 ارب روپے کے علاوہ بقیہ اخراجات تا حال عوام کے سامنے پیش نہیں کیے گئے۔

2007 میں سسٹرا کے ذریعے کرائے گئے ایک تحقیقی مطالعے میں گنجان آباد علاقوں اور تاریخی مقامات کے قریب (گلبرگ تا جی ٹی روڈ) سطح زمین پر آبادیوں اور تاریخی مقامات کو پہنچنے والے نقصان کو کم کرنے کے لیے سات کلومیٹر طویل زیر زمین سرنگ تعمیر کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ اس

> شالامار باغ، چوبرجی، لکشمی اور موج دریا جیسے **25** کے قریب تاریخی مقامات اس منصوبے کی زد میں آ کر منہدم کیے جانے یا متاثر ہونے کے خدشے سے دوچار ہیں۔ یہ مقامات تاریخی ورثہ قرار دیئے گئے ہیں جس کا مطلب ہے کہ ان کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں حکومت کنونشن برائے عالمی ورثہ نیشنل ایکویٹیز ایکٹ اور پنجاب سپیشل پرمیسز آرڈیننس جیسے عالمی اور ملکی قوانین کی خلاف ورزی سے بھی گریزاں نہیں۔ زیر زمین راستے کے گرد موجود عمارات کے استحکام اور بنیادوں کو مضبوط کرنے کا معاملہ منصوبے کی تیاری اور لاگت کے تخمینے میں سرے سے شامل ہی نہیں کیا گیا۔ مغل عہد کی بہت سی یادگاریں اس منصوبے کی تعمیرات کے پس منظر میں چھپ جائیں گی اور ان کی خوبصورتی اور شان و شوکت ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جائے گا۔

مطالعے کو بنیاد پر تعمیر شروع کرنے کے باوجود حکومت نے سرنگ کی بجائے نسبتاً سستی ٹیکنالوجی (کٹ اینڈ کور) استعمال کر کے صرف 1.7 کلومیٹر طویل حصہ زیر زمین تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ بقیہ راستہ خصوصی طور پر تعمیر کیے گئے پُل کے ذریعے طے کیا جائے گا۔ یہ پُل بعض مقامات پر 26 فٹ (دو منزلہ عمارت) سے لے کر 59 فٹ (چھ منزلہ عمارت) بلندی پر تعمیر کیا جائے گا۔ چلتی ٹرین کے مسافروں کی تاک جھانک کی وجہ سے گردونوح کی شہری آبادیوں کی نجی زندگی میں خلل آنے اور جائیداد کی قیمتیں گرنے کا اندیشہ ہے۔ ماحولیاتی اثرات کے تخمینے میں ان امور کو شامل نہیں کیا گیا جو ایک صریح بے قاعدگی ہے۔ اس پُل کی تعمیر سے اس منصوبے کے عملی پہلوؤں پر شکوک وشبہات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ قرض کے حصول اور تعمیرات کے آغاز میں بھی بے ضابطگیاں کی گئی ہیں۔ منصوبے کے لیے کام کا آغاز 25 اکتوبر کو کیا گیا تھا لیکن قرض کے حصول کے معاہدے پر 21 دسمبر 2015 کو دستخط کیے گئے۔ اس دوران حکومت پنجاب نے پنجاب بنک کے ذریعے 6 ارب روپے ٹھیکیداروں کو کام کا آغاز کرنے کے لیے فراہم کیے ہیں۔

منصوبے کی سرکاری تشہیر کے برعکس زمینی صورت حال یہ ہے کہ متاثرہ آبادیوں کو اعتماد میں نہیں لیا گیا اور لینڈ ایکیوزیشن ایکٹ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انہیں ان کے مکانات کے گرائے جانے کے فیصلے سے متعلق کوئی نوٹس جاری نہیں کیے گئے۔ نوٹس جاری نہ کیے جانے کی وجہ سے متوقع متاثرین عدالت سے رجوع کا حق بھی نہیں رکھتے جو ان کے بنیادی انسانی حقوق کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ منصوبے کے راستے میں پڑنے والی آبادیوں میں مقیم افراد کو اپنے مکانات کے منصوبے کی زد میں آنے سے متعلق تب پتہ چلتا ہے جب سروے اہلکاران ان کی عمارتوں کو نشان زد کرتے ہیں۔

قانونی مسائل:

لینڈ ایکیوزیشن ایکٹ 1894 کے تحت حکومت شہریوں کی املاک صرف اس صورت میں ان سے خریدنے کی مجاز ہے جب ایسا کیا جانا ناگزیر ہو۔ خریدے جانے کی صورت میں یہ قانون متاثرہ افراد کو قانونی چارہ جوئی کا حق استعمال کرنے کی ضمانت دیتا ہے جو ان کا قانونی اور انسانی حق ہے۔ عدالتی چارہ جوئی میں ناکامی پر ریاست متاثرہ افراد کو ان کے نقصان کا جائز اور معقول معاوضہ دینے کی پابند ہے۔

حکومت شالامار باغ کے قریب تعمیرات میں حکومت کنونشن برائے عالمی ورثہ کی شق نمبر 11 نیشنل ایکویٹیز ایکٹ 1975 اور پنجاب سپیشل پرمیسز آرڈیننس 1975 کی خلاف ورزی بھی کر رہی ہے۔ اس تعمیر کے باعث لاہور کے شاہی قلعے اور شالامار باغ دونوں کا تاریخی ورثے کی عالمی فہرست سے اخراج کا امکان ہے۔ حکومت کی جانب سے منصوبے کی تفصیلات عام نہ کیا جانا ایک غیر جمہوری اقدام اور شفافیت اور معلومات تک رسائی کے 2013 کے قانون کی خلاف ورزی بھی ہے۔

> میٹرو اتھارٹی کے مطابق لاہور میٹرو بس کو روزانہ چالیس لاکھ جبکہ غیر سرکاری ذرائع کے مطابق روزانہ پینسٹھ لاکھ ستر ہزار روپے کی سبسڈی دی جا رہی ہے۔ حکومت اب تک (2013-14) کے دوران 2.4 ارب روپے کی سبسڈی دے چکی ہے۔ 2014-15 کے بجٹ میں اس سبسڈی کے لیے 2 ارب روپے جبکہ 2015-16 کے بجٹ میں اس مقصد کے لی 3 ارب روپے رکھے گئے ہیں۔

معاشی غیر یقینی اور ترقیاتی ترجیحات

میٹرو اتھارٹی کے مطابق لاہور میٹرو بس کو روزانہ چالیس لاکھ جبکہ غیر سرکاری ذرائع کے مطابق روزانہ پینسٹھ لاکھ ستر ہزار روپے کی سبسڈی دی جا رہی ہے۔ حکومت اب تک (2013-14) کے دوران 2.4 ارب روپے کی سبسڈی دے چکی ہے۔ 2014-15 کے بجٹ میں اس سبسڈی کے لیے 2 ارب روپے جبکہ 2015-16 کے بجٹ میں اس مقصد کے لی 3 ارب روپے رکھے گئے ہیں۔

سبسڈی دینے کی یہ شرط اگلے پچاس برس تک کے لیے رکھی گئی ہے۔ حکومت یا ترقیاتی ترجیحات بدلنے کی صورت میں اس منصوبے کا مستقبل غیر یقینی کا شکار ہے۔ اس ضمن میں اس امر کا خیال بھی نہیں رکھا گیا کہ لاہور میں آمدورفت کے برق رفتار منصوبوں کی تعمیر اور دیکھ بھال کے عوض باقی پورے صوبے میں صحت اور تعلیم کی سہولیات کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ سبسڈی کی رقم 2007 میں سسٹرا اسفارشات سے دگنی ہو چکی ہے جو باعث تشویش ہے۔ سفری ذرائع کی ترقی کے لیے بلا خلل آمدورفت کے لیے ایک جانب اشاروں کا خاتمہ کیا جا رہا ہے

اور دوسری جانب عوامی آمدورفت کے (میٹرو) جیسے منصوبے تعمیر کیے جا رہے ہیں۔ متضاد نوعیت کے حامل ان منصوبوں کی بیک وقت تعمیر بھی بحث طلب معاملہ ہے۔ ایک جانب حکومت عام آدمی کو سستی سفری سہولیات مہیا کرنے کے بڑے منصوبے تعمیر کر رہی ہے اور دوسری جانب ذاتی گاڑیوں پر انحصار کم کرنے کے لیے کوئی اقدامات نہیں کر رہی اج کی وجہ سے ٹریفک کے مسائل حل ہونے کا امکان مزید کم ہو جاتا ہے۔

ترقیاتی ترجیحات

اورنج میٹرو لائن جیسے منصوبوں کی تعمیر کے پیچھے موجودہ اور گزشتہ حکومتوں کی ترقیاتی ترجیحات پر بہت سے تحفظات کا اظہار کیا جاتا رہا ہے۔ تعلیم، صحت، پیشہ ورانہ تربیت اور روزگار کے مواقع میں اضافے کے ذریعے انسانی وسائل کی ترقی کا خاطر خواہ انتظام کیے بغیر اس قسم کے ترقیاتی منصوبے سودمند ثابت نہیں ہو سکتے۔ ناہموار اور غیر مساوی ترقی کا یہ عمل مزید مسائل کا باعث بن رہا ہے۔ پنجاب کے کل ترقیاتی بجٹ کا ایک بڑا حصہ (158 ارب روپے) محض تعمیرات کے لیے مخصوص ہے جبکہ تعلیم کے لیے محض 44 ارب اور صحت کے لیے 20.7 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں۔

نتائج، تجاویز اور سفارشات

لاہور میں سبک رفتار عوامی ٹرانسپورٹ کی ضرورت سے انکار نہیں لیکن اس کے لیے تیار کیے جانے والے منصوبوں میں پیدل چلنے والوں سے لے کر سائیکل سواروں اور موٹر والوں؛ غرض سب کی سہولت اور ضرورت کو مدنظر رکھا جانا چاہیئے۔ لاہور میں آمدورفت کے بہتر ذرائع کی فراہمی کے لیے ٹریفک کے بہتر انتظام، فٹ پاتھوں کی تعمیر اور بسوں کی فراہمی سمیت تمام پہلوؤں پر کام کیا جانا چاہیئے۔ دستیاب ذرائع آمدورفت اور سفری سہولیات کے ساتھ مربوط ماس ٹرانزٹ سسٹم کی تعمیر ایک دیرپا اور سودمند حل ہے جس کی تعمیر کے دوران زیر زمین سرنگوں سے نقصان کو کم کرتے ہوئے شہر کے مزاج اور تاریخی شناخت کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ حکومت کو لاہور کے لیے ایک جامع ٹرانسپورٹ منصوبے تیار کرنے اور عوام کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

اس منصوبے کی 2006 کی مجوزہ سفارشات کے تحت تعمیر سے مذکورہ بالا مسائل سے بچنا ممکن ہے۔ اورنج میٹرو لائن کا مجوزہ نقشہ شہر کی بربادی کا باعث بنے گا۔ قوم کو اس منصوبے کی تعمیر کا خمیازہ ایک طویل مدتی قرض کے ساتھ ساتھ بے گھر افراد، کاروبار اور روزگار کے خاتمے، صحت عامہ کے نقائص اور تاریخی ورثے کی تباہی کی صورت میں بھگتنا پڑے گا۔ اس سب سے بڑھ کر یہ کہ اس قسم کے میٹرو منصوبے نہ تو لاہور کے ٹریفک کے مسائل حل کر پائیں گے اور نہ ہی لاہور کی زیادہ تر آبادی ان سے مستفید ہو سکے گی۔

ہم اس منصوبے پر فی الفور کام روکنے، تفصیلی جائزے کے انعقاد، منصوبے سے متعلق مسائل کے حل اور بہتر منصوبہ بندی کے تحت کام شروع کرنے کا پرزور مطالبہ کرتے ہیں۔

(بشکریہ لاہور، میٹرو اور آپ)

مسخ شدہ نعش برآمد

جامشورو سپر ہائی وے نوری آباد پر جوکھیا موڑ کے قریب ایک نعش برآمد ہوئی۔ 19 دسمبر کو مقامی دیہاتیوں نے پولیس کو بتایا کہ جوکھیا موڑ کے قریب ایک جلی ہوئی نعش پڑی ہوئی ہے۔ پولیس نے موقع پر پہنچ کر نعش کو قبضے میں لے لیا۔ نعش کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور اسے قتل کرنے کے بعد آگ لگادی گئی تھی۔ پولیس نے قانونی کاروائی مکمل کرنے کے بعد نعش کو ایدھی کے رضا کاروں کے حوالے کردیا جنہوں نے اسے حیدرآباد کے ٹنڈو یوسف قبرستان میں دفنا دیا۔ 10 دن پہلے بھی سپر ہائی وے کے قریب ایک نعش برآمد ہوئی تھی۔ اس کی شناخت اکبر قریشی کے طور پر ہوئی اور وہ متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیوایم) کا کارکن تھا۔ اسے چند روز پہلے نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے حیدرآباد سے اغواء کیا تھا۔ گم شدہ شخص کے والدین نے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج حیدرآباد سے رابطہ کیا تھا۔ جج کے حکم پر ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے مختلف تھانوں پر چھاپے مارے لیکن اس کی کچھ پتا نہ چل سکا۔ کچھ دن کے بعد اس کی نعش سپر ہائی وے سے برآمد ہوئی۔

(نامہ نگار)

سیاسی جماعت کے دو کارکن اور دو کانسٹیبل ہلاک

سانگھڑ بلدیاتی انتخابات سے دو دن پہلے 16 دسمبر کو رحمانی چوک کے قریب پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) اور پاکستان مسلم لیگ فنکشنل (پی ایم ایل۔ایف) کے کارکنوں کے درمیان تصادم کے نتیجے میں پی پی پی کے کارکن گل محمد شاہ اور گل محمد مری اور دو پولیس کانسٹیبل نبی بخش اور ڈیرو اور عاشق مری جاں بحق اور چھ افراد زخمی ہوگئے۔ پی پی پی نے بلدیاتی انتخابات کے حوالے سے ٹنڈو آدم سے ریلی نکالی تھی جبکہ پی ایم ایل۔ایف کے کارکن رینجرز کے اختیارات میں توسیع کا مطالبہ کررہے تھے۔ دونوں جماعتوں کے کارکنوں نے ایک دوسرے کے خلاف نعرے بازی کی جس کے نتیجے میں ان میں جھگڑا ہوگیا۔ سابق سینیٹر فدا حسین ڈیرو جو پی پی پی کی ریلی کی قیادت کررہے تھے نے بتایا کہ مقتول کانسٹیبل ان کے محافظ تھے۔ اس المناک حادثے کے بعد ضلع بھر میں خوف وہراس پھیل گیا جس پر تمام دکانیں اور کاروباری مراکز بند کردیے گئے اور ضلع میں سکیورٹی سخت کردی گئی۔ پولیس نے علاقے کو گھیرے میں لے لیا اور نظامانی محلّہ میں چھاپہ مار کر پی ایم ایل۔ایف سے تعلق رکھنے والے پانچ مشتبہ افراد کو گرفتار کرلیا۔

(نامہ نگار)

بوائلر پھٹنے سے آٹھ مزدور جاں بحق

ٹوبہ ٹیک سنگھ 19 جنوری کو شورکوٹ کے علاقہ میں شفیع شوگر ملز میں اچانک بوائلر پھٹنے سے آٹھ مزدور موقع پر جاں بحق ہوگئے جبکہ پندرہ کے قریب مزدور زخمی ہوئے زخمیوں کو ٹی ایچ کیو ہسپتال شورکوٹ منتقل کردیا گیا ہے جن میں سات مزدوروں کی حالت تشویس ناک بتائی جارہی ہے۔ عینی شاہدین کے مطابق دھماکا اتنا خوف ناک تھا کہ آواز دور دور تک سنائی دی۔ دوسری جانب اطلاع ملنے پر ڈی سی او ٹوبہ ٹیک سنگھ عامر اعجاز اکبر نے ریسکیو کی چھ گاڑیوں کو شورکوٹ روانہ کردیا ہے اور اے سی پیر محل کو بھی فوری طور پر جائے حادثہ پر پہنچنے کی ہدایت کی ہے

(نامہ نگار)

آئی ڈی پیز کے امن جرگے پر فائرنگ، 4 قبائلی ہلاک

وانا جنوبی وزیرستان کے علاقے شکتوئی میں آئی ڈی پیز کے امن جرگے پر مسلح افراد کی فائرنگ سے 4 قبائلی ہلاک ہوگئے۔ خیال رہے کہ حملے کی ذمہ داری اب تک کسی بھی گروپ نے قبول نہیں کی ہے تاہم مقامی افراد کا دعویٰ ہے کہ کالعدم تحریک طالبان پاکستان کے ساتھ منسلک کمانڈر سید خان عرف سجنا گروپ حملے میں ملوث ہے۔ مقامی افراد کا کہنا تھا کہ سجنا گروپ نے اندرونی طور پر ہجرت کرنے والے (آئی ڈی پیز) کو کچھ روز قبل خبردار کیا تھا کہ وہ اپنے گھروں کو نہ لوٹیں بصورت دیگر وہ نتائج کے خود ذمہ دار ہوں گے۔ حکام کے مطابق 6 جنوری کو شکتوئی کے علاقے میں محسود قبائل کا جرگہ جاری تھا، جس میں علاقے کے سیکیورٹی پلان اور شر پسندوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے حوالے سے بات چیت کی جارہی تھی۔ خیال رہے کہ آئی ڈی پیز حال ہی میں سرکاری سرپرستی میں اپنے گھروں کو واپس لوٹے ہیں۔ حکام کے مطابق جرگے کے اختتام پر لوگ اپنے گھروں کو واپس جارہے تھے کہ پہاڑوں پر موجود مسلح افراد نے اُن پر فائرنگ کردی، جس کے نتیجے میں 4 افراد ہلاک ہوگئے۔ ہلاک ہونے والوں کی شناخت ملک خان ولی، جاوید، عبداللہ خان اور اکبر خان کے ناموں سے ہوئی ہے۔ علاقے کے قبائلی عمائدین اور متعدد مقامی افراد جرگے میں شریک تھے، جس میں سیکیورٹی پلان اور عسکریت پسندوں کی جانب سے دی جانے والی دھمکیوں کے حوالے سے بات چیت کی گئی۔ واضح رہے کہ سیکیورٹی فورسز کی جانب سے 2009 میں جنوبی وزیرستان میں موجود ٹی ٹی پی کے عسکریت پسندوں کے خلاف آپریشن کے آغاز کے بعد محسود قبائل سے تعلق رکھنے والے افراد کو یہاں سے بحفاظت نکال لیا گیا تھا۔

(نامہ نگار)

سیوریج کا ناقص نظام

ٹوبہ ٹیک سنگھ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں تقریباً پچاس برس قبل نکاسی آب اور صاف پانی کی فراہمی کے لیے پائپ لائنیں بچھائی گئی تھیں جو اب بوسیدگی کے باعث ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ آئے روز ان پائپ لائنوں کے ٹوٹنے سے سیوریج کا گندا پانی پینے کے صاف پانی میں شامل ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے شہریوں کو پریشانی کا سامنا ہے۔ ملاوٹ شدہ پانی کے باعث لوگ ہیپاٹائٹس اور پیٹ کی بیماریوں میں مبتلا ہورہے ہیں اور مہنگے داموں ملنے والا بوتل بند پانی خریدنے پر مجبور ہیں۔ نالوں سے آنے والے گندے پانی کے باعث شہری علاقوں بالخصوص محمد پورہ، گوبند پورہ، عوامی بستی، محلّہ عرفات، کمال چوک اور بخشی پارک کے مکین گزشتہ چار برس سے اذیت کا شکار ہیں۔ پینتالیس سالہ حُسین احمد نے بتایا کہ وہ محلّہ گوبند پورہ کے رہائشی ہیں اور ان کے محلّہ میں صاف پانی کم ہی میسر آتا ہے۔ "سالوں سے ہمارے گھروں میں سیوریج ملا پانی سپلائی ہورہا ہے جو پینا تو درکنار استعمال کے بھی قابل نہیں جبکہ انتظامیہ مسئلے کا نوٹس نہیں لے رہی۔ حُسین کے مطابق وہ پچھلے تین برس سے ڈی سی او کو مسئلہ کے حل کے لیے درخواستیں لکھ رہے ہیں مگر ان کی شنوائی نہیں ہوسکی۔ ان کا کہنا تھا کہ ہر نیا آنے والا افسر صاف پانی فراہم کرنے کا وعدہ کرتا ہے مگر عملاً انتظامیہ کی کارکردگی صفر ہے اور آج تک اس مسئلہ پر قابو نہیں پایا جاسکا ہے۔ محلّہ عوامی بستی کے رہائشی 30 سالہ محمد عبداللہ بھی سیوریج لائنوں کی مرمت نہ کیے جانے پر انتظامیہ کی کارکردگی سے ناخوش ہیں۔ گندے پانی کی سپلائی کے باعث رہائشیوں کو منرل واٹر کے اضافی اخراجات برداشت کرنا پڑرہے ہیں جبکہ اس مد میں میرا اپنا دو سے تین ہزار روپے ماہانہ کا خرچ آرہا ہے۔ ان کے بقول اہل علاقہ متعدد بار انتظامیہ کو تحریری درخواست بھی دے چکے ہیں مگر تا حال کوئی کاروائی نہیں کی گئی ہے۔

(اعجاز اقبال)

پٹھان کوٹ واقعہ کے بعد

آئی۔اے۔رحمٰن

پٹھان کوٹ میں ہندوستانی فضائی اڈے پر دہشت گردانہ حملے نے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سازگار تعلقات کی امیدوں پر کاری ضرب لگائی ہے جو کہ پاکستانی وزیراعظم کی سالگرہ پر ہندوستانی وزیراعظم کی بن بُلائے شرکت سے کسی حد تک بہتر ہوگئے تھے۔ دونوں حکومتوں کو دونوں رہنماؤں کے طے شدہ ایجنڈے کے تحفظ کے لیے نہایت دانشمندی سے کام کرنا ہوگا پاکستان پر خصوصی ذمہ داری ہوتی ہے جس کی وجہ بالکل عیاں ہے۔

پٹھان کوٹ جیسا واقعہ ہندوستانی حکومت کے لیے شدید پریشانی کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ موجودہ حکمرانوں کے لیے خاص طور پر پریشانی کا باعث ہے کیونکہ یہ ایک ایسے وقت پیش آیا جب جاتی عمرہ کے دورہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی جدوجہد مصروف عمل تھی۔ گزشتہ پندرہ برسوں کے دوران، میں اپنے دونوں وزرائے اعظم کو پاکستان بھیجنے کا شرف پانے کا دعویٰ کرنے کے بعد، اگرچہ اس عہدے پر براجمان کانگریس کا عہدیدار اسلام آباد کا سفر نہیں کرسکا حتیٰ کہ معاہدہ کشمیر پر دستخط کرنے کے لیے بھی جوانہوں نے جنرل مشرف کے ساتھ طے کیا تھی، بی جے پی لاہور کے غیر متوقع دورے کو اپنے فرقہ وارانہ اہداف کی فتح کے طور پر منانے کی تیاریاں کررہی تھی۔

وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ نے کہا کہ مودی کے دورہ پاکستان سے ہندوستان ایک ناروادار ریاست کے الزام سے بری الذمہ ہوگیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق، بی جے پی کے جنرل سیکرٹری رام مادھیو نے کہا تھا کہ ہندوستان، بنگلہ دیش اور پاکستان عوام کی منشاء سے اکھنڈ بھارت کے طور پر پھر سے اکٹھے ہورہے ہیں۔ ان کی اس وضاحت سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انہوں نے اپنے اس مشاہدے کا اظہار مودی کے لاہور میں مختصر قیام سے بہت پہلے کیا تھا کیونکہ ان کے کلمات سے راشٹریہ سیوام سیوک کے منشور کی بازگشت سنائی دی جاسکتی ہے۔

اگرچہ بی جے پی کے ترجمان، ایم جے۔اکبر نے یہ کہہ کر احتجاجی آوازوں کو خاموش کرنے کی کوشش کی ہے کہ وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے 1999ء میں اپنے دورہ لاہور کے دوران پاکستان کو ایک مقتدر ریاست کے طور پر تسلیم کرلیا تھا، یونین منسٹر (سیہوان) نے کہا کہ برصغیر کے دوبارہ یکجا ہونے کا مطلب ایک وفاق کا قیام ہے۔ اور کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا اور کانگریس کا تاحال یہی موقف ہے کہ پاک۔ بھارت تعلقات کی راہ میں حائل مسائل کو چائے کے کپ پر ہونے والی خوش گپیوں کے تبادلوں سے حل نہیں کیا جاسکتا۔

پٹھان کوٹ کے واقعہ نے نہ صرف ان تبادلوں کو روک دیا ہے بلکہ اس نے شیوسینا کے غیر لچکدار حلقوں کو مودی کو یہ تنبیہ کرنے کا موقع بھی فراہم کیا ہے کہ دہشت گردی اور پاکستان کے ساتھ مذاکرات ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ نامعلوم ہندوستانی اہلکاروں نے بہت عجلت میں، سیکرٹریز خارجہ کی ملاقات کے ملتوی ہونے کا عندیہ بھی دے دیا ہے۔ تاہم، غور طلب بات یہ ہے کہ ہندوستانی رائے عامہ نے جنگ پسندوں کے سامنے مکمل طور پر گھٹنے نہیں ٹیکے۔ جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ عوامی بحث ومباحثہ کی توجہ کا مرکز دہشت گردوں کے حملے پر سکیورٹی فورسز کا غیر موثر ردعمل تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ بی جے پی کے حامیوں کی نظر میں حملہ مودی کی ساکھ خراب کرنے کی کوشش تھی۔

> یہ ملک ہمیشہ اس حیلے پر انحصار نہیں کرسکتا کہ ہندوستان پر حملے کرنے والے دہشت گرد پاکستان کو بھی معاف نہیں کرتے۔ اس دلیل کا یہ ہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ پاکستان اپنی ہی مقتدر حیثیت کو درپیش چیلنج پر قابو نہیں پاسکتا، ایک ایسا اعتراف جس کی کوئی بھی عزت نفس والی ریاست متحمل نہیں ہوسکتی۔ اگر پاکستان کے بعض غیر ریاستی عناصر ہندوستان کے لیے سنگین خطرے کا سبب بن کر پاک۔ بھارت کشیدگی کو ہوا دے سکتے ہیں تو وہ پاکستانی ریاست کو نقصان پہنچانے کے دیگر ذرائع بھی ڈھونڈ سکتے ہیں۔ پاکستان کے لیے یہ حقیقت سمجھنی مشکل نہیں ہونی چاہئے کہ پاکستان میں موجود دہشت گرد گروہ جب کبھی ہندوستان پر حملہ کرتے ہیں تو یہ چیز پاکستان کے اپنے وقار کے لیے بھی خطرے کا سبب ہوتی ہے۔

چنانچہ، بروز پیر ہندوستان ٹائمز پر اس موقف کا اظہار متوقع تھا کہ ''پٹھان کوٹ واقعہ کے بعد پاکستان سے مذاکراتی عمل ختم کرنا دہشت گردوں کے ہاتھوں میں کھیلنے کے مترادف ہے''۔ اطلاعات کے مطابق، وزیر داخلہ نے یہ بھی کہا کہ دہشت گردی کے کسی ایک واقعے سے مودی کا شروع کیا گیا عمل پٹری سے نہیں اترنا چاہئے۔

ہندوستانی حکومت نے غیر لچکدار عناصر کے مطالبے کو اس وقت تک قبول کرنے سے انکار کردیا ہے جب تک پاکستانی حکومت دہشت گردوں کی شناخت اور ان کو کنٹرول کرنے والوں کے حوالے سے پوچھے گئے سوالات کا جواب نہیں دیتی۔ صورتحال اتنی سنگین ہے کہ اب ٹال مٹول کی گنجائش نہیں بچی۔ ہندوستانی ذرائع ابلاغ میں برپا شور مودی حکومت کو دباؤ تلے رکھے گا اور پاک۔ بھارت مذاکرات کو دہشت گردی تک محدود، کم از کم اِس وقت، رکھنے کے مطالبے کو تقویت ملے گی۔

موجودہ صورتحال سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاک۔ بھارت مذاکرات کی بحالی کا انحصار پاکستان کی قومی سلامتی کے مشیر کی ہندوستان کو اس بات پر قائل کرنے میں کامیابی پر ہے کہ ان کے ملک کو دہشت گردی کے حالیہ واقعے کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ جنرل ناصر جنجوعہ کو سونپا گیا مشن کسی بھی طرح سے آسان نہیں ہے۔

سب سے پہلا حل طلب معاملہ حملہ آوروں کی شناخت کے حوالے سے ہوگا۔ یہ ثابت کرنے کی پہلے سے ہی کوششیں زیر عمل ہیں کہ پٹھان کوٹ حملے کو ہندوستانی کشمیر سے کنٹرول کیا جارہا تھا۔ اول، ہمارے پاس ایک ہندوستانی شہری کی بیان شدہ داستان بھی ہے جسے دہشت گردوں نے نیم مردہ حالت میں چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ لوگوں کو بتاسکے کہ حملے کا مقصد افضل گُرو کی پھانسی کا انتقام لینا تھا۔ مزید یہ کہ ایک نامعلوم گروہ نے حملے کی ذمہ داری قبول کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ پاکستان کو ملوث کرنے کی ہندوستانی ذرائع ابلاغ کی کوششوں کی بھی مخالفت کی ہے۔ پاکستانی حکومت اس قسم کے خودساختہ وکیل کے بغیر ہی بہتر حالت میں رہے گی۔

یہ ملک ہمیشہ اس حیلے پر انحصار نہیں کرسکتا کہ ہندوستان پر حملے کرنے والے دہشت پاکستان کو بھی معاف نہیں کرتے۔ اس دلیل کا یہ ہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ پاکستان اپنی ہی مقتدر حیثیت کو درپیش چیلنج پر قابو نہیں پاسکتا، ایک ایسا اعتراف جس کی کوئی بھی عزت نفس والی ریاست متحمل نہیں ہوسکتی۔ اگر پاکستان کے بعض غیر ریاستی عناصر ہندوستان کے لیے سنگین خطرے کا سبب بن کر پاک۔ بھارت کشیدگی کو ہوا دے سکتے ہیں تو وہ پاکستانی ریاست کو نقصان پہنچانے کے دیگر ذرائع بھی ڈھونڈ سکتے ہیں۔ پاکستان کے لیے یہ حقیقت سمجھنی مشکل نہیں ہونی چاہئے کہ پاکستان میں موجود دہشت گرد گروہ جب کبھی ہندوستان پر حملہ کرتے ہیں تو یہ چیز پاکستان کے اپنے وقار کے لیے بھی خطرے کا سبب ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں، پاکستان کو پٹھان کوٹ واقعے پر اس طرح کا ردعمل ظاہر کرنے سے گریز کرنا چاہئے جس طرح کا ردعمل اس نے ممبئی حملوں پر دکھایا تھا۔ جیسا کہ ایف آئی اے کے ایک سابق سربراہ نے کچھ عرصہ قبل ان کالموں میں نشاندہی کی تھی۔ پاکستان کو ''تلخ حقائق کا سامنا کرنے اور شدت پسندی کے شیاطین سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ کرنا پڑے گا''۔

پاکستان کو درپیش چیلنج دہشت گردی برآمد کرنے کے ہندوستانی الزامات کے دفاع اور دنیا کو اپنی بے گناہی پر قائل کرنے تک محدود نہیں ہے۔ اس سے بڑا چیلنج انتہا پسندی کے سرطان کو پاکستان کی تباہی سے روکنا ہے۔ اگرچہ بُرے طالبان کو اچھے طالبان پر ترجیح دینے کی حماقت کا خمیازہ ہم بھگت رہے ہیں، ہمیں اب اپنی ہی سلامتی کے لیے اپنی حدود میں سرگرم دہشت گردوں کو خیر خواہ جہادیوں اور بدخواہ جہادیوں میں تقسیم کرنے سے باز آجانا چاہئے۔ اس مقصد کے لیے نیشنل ایکشن پلان پر نظرثانی کی ضرورت ہے تاکہ ملک وقوم کے دشمن کسی بھیس یا بہانے کا سہارا نہ لے سکیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

پاکستان کے دو کروڑ نامعلوم مزدور

کراچی پاکستان میں غیر سرکاری تنظیموں کے اندازوں کے مطابق ملک بھر میں گھروں میں خام مال لا کر کام کرنے والے ہوم بیسڈ ورکرز کی تعداد دو کروڑ ہے جس میں ایک کروڑ 20 لاکھ خواتین شامل ہیں۔ تاہم غیر رسمی شعبے میں کام کرنے والے اِن مزدوروں کو 67 سال بعد بھی نہ ہی مزدور کا درجہ مل سکا اور نہ ہی ان کے حقوق اور زندگیوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے کوئی قانون موجود ہے۔ کراچی کی رہائشی سمیرا دو سالوں سے اپنے سات بچوں سمیت کولر کی ٹوٹیاں بنانے کا کام کرتی ہیں۔ انھیں شکوہ ہے کہ اس کام میں محنت زیادہ ہے اور اجرت کم ہے۔ 'ایک سو پیس بنائیں تو 40 روپے اجرت ملتی ہے۔ میں صبح سے بیٹھ جاتی ہوں اور اسی میں سارا دن گزر جاتا ہے۔ مشین سے زور لگانے کی وجہ سے ہاتھوں میں بہت درد ہوتا ہے۔ انگلیاں بالکل ٹیڑھی ہو جاتی ہیں۔' سمیرا کی طرح، ریحانہ گذشتہ 22 سالوں سے گھر میں خام مال لا کر جوتے بنانے کا کام کر رہی ہیں۔ پورے کنبے کی محنت مشقت کی اجرت تین ہزار روپے ہفتہ ہے۔ ان کا خاندان سخت محنت مشقت کے ساتھ ساتھ، خطرات میں بھی گھرا رہتا ہے۔ 'ہم سلوشن لگاتے ہیں تو آگ نہیں جلا سکتے۔ یہ کام بند کمرے کے بجائے کھلے مقام پر ہوتا ہے۔ اگر ہم کمرے میں لگائیں تو کمرے میں گیس بھر جائے گی تو آگ لگنے کا ڈر ہے، ایسے میں ہم ماچس بھی نہیں جلا سکتے۔' گھروں میں خام مال لا کر کام کرنے کی وجہ سے سرمایہ کار کے لیے پیداواری لاگت کئی گنا کم ہو جاتی ہے اور غیر محسوس طریقے سے کام کرنے کی جگہ، اس کی مینٹیننس اور بجلی سمیت دیگر اخراجات کا بوجھ بھی مزدور کے کاندھوں پر آن پڑتا ہے۔ ساتھ ساتھ ان مزدور خواتین و حضرات اور بچوں کی صحت اور دیگر سماجی تحفظات سے بھی سرمایہ کار کی جان بخشی ہو جاتی ہے۔ گھروں میں کام کرنے والے ان ورکرز کی عام مزدور جیسی شناخت اور مراعات کے لیے مزدوروں کے حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیمیں ایک طویل عرصے سے کوشاں ہیں۔ زہرہ اکبر نے پاکستان میں غیر رسمی مزدوروں کے حقوق کے لیے 'ہوم بیسڈ ویمن ورکرز فیڈریشن' کے نام سے پہلا غیر سرکاری ادارہ قائم کیا ہے۔ ان کے ادارے نے دیگر غیر سرکاری اداروں کے ساتھ مل کر ہوم بیسڈ ورکرز کے حقوق کے لیے ایک بل تیار کیا ہے جس میں ان مزدوروں کی شناخت کو تسلیم کرتے ہوئے انھیں رسمی مزدور کا درجہ دینا، ان کا اندراج، کم سے کم آمدنی کا تعین، معاشی اور سماجی تحفظ، پنشن اور ان کی مارکیٹ تک براہ راست رسائی جیسی بنیادی سفارشات شامل ہیں۔ سندھ میں ان مزدوروں کو رسمی شعبے میں شامل کرنے کے لیے مزدور تنظیموں کو کچھ کامیابی ملی اور سندھ اسمبلی میں اس بارے میں قرار دادیں بھی منظور ہوئیں۔ تاہم ان کی سفارشات پر مشتمل جو مسودہ تیار کیا گیا اسے قانونی شکل دینے کے لیے دو سال گزر جانے کے باوجود اب تک صوبائی اسمبلی میں پیش نہیں کیا گیا۔ اس کام میں تاخیر کی وجوہات بتاتے ہوئے صوبہ سندھ کے محکمہ محنت کے جوائنٹ ڈائریکٹر گلفام نبی میمن نے بتایا کہ 'یہ پہلی مرتبہ ہو رہا ہے کہ ایک غیر رسمی شعبہ کو رسمی شعبہ کی طرف لایا جا رہا ہو۔ تو اس میں ہمیں بہت سی مشکلات درپیش ہیں۔ زہرہ اکبر نے پاکستان میں غیر رسمی مزدوروں کے حقوق کے لیے 'ہوم بیسڈ ویمن ورکرز فیڈریشن' کے نام سے پہلا غیر سرکاری ادارہ قائم کیا انھوں نے کہا کہ 'ایک تو ہوم بیسڈ ورکر کے لیے نئی قانون سازی کرنا ہے، دوسرا یہ کہ اس ہوم بیسڈ ورکر کو موجودہ قوانین میں شامل کرنا ہے۔ یہ چیلنجز اور مسائل ضرور ہیں اور اس پہ ہم نے کافی حد تک قابو پا لیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ 2016 میں ہم ہوم بیسڈ ورکرز کے حوالے سے آپ کو کوئی خوشخبری سُنائیں گے۔' پاکستان میں ایک طرف وفاقی حکومت ہوم بیسڈ ورکرز کے حقوق کے حوالے سے اقوامِ متحدہ کے ذیلی ادارہ برائے مزدور 'آئی ایل او' کے کنونشن C-177 کی توثیق کرنے سے گریزاں ہے دوسری جانب سندھ سمیت چاروں صوبوں کی اسمبلیوں میں ایسے مزدوروں کی شناخت اور مراعات سے متعلق بل التوا کا شکار ہیں۔ پاکستان میں مزدوروں کے برعکس صنعت کار ایک مؤثر آواز ہیں جن کی ایوانوں میں بھی نمائندگی موجود ہے۔ مزدوروں کے لیے اٹھنے والی آواز محدود اور کمزور ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے حق میں بہت کم قانون سازی نظر آتی ہے۔

(نامہ نگار)

2015 میں بلوچستان سے 463 افراد جبری طور لاپتہ، 157 لاشیں ملیں

کوئٹہ بلوچستان سے جبری طور پر لاپتہ کیے گئے افراد کے لواحقین کا کہنا ہے کہ سال 2015 کے دوران صوبے بھر سے مزید 463 افراد جبری طور پر لاپتہ ہوئے ہیں۔ یکم جنوری کو کوئٹہ پریس کلب میں جبری طور پر لاپتہ کیے گئے افراد کے لواحقین کی تنظیم وائس فار مسنگ بلوچ پرسنز کے چیئرمین نصر اللہ بلوچ نے بتایا کہ سال بھر میں 157 بلوچ افراد کی مسخ شدہ لاشیں برامد ہوئیں ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز نے یہ اعداد و شمار لاپتہ افراد کے رشتہ داروں، سیاسی و انسانی حقوق کی تنظیموں اور دیگر ذرائع سے حاصل کیے ہیں۔ نصر اللہ بلوچ نے بتایا کہ جبری طور پر لاپتہ افراد کی تعداد اس سے کئی زیادہ ہو سکتی ہے کیونکہ حکومتی سطح پر یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ نیشنل ایکشن پلان کے تحت 9 ہزار سے زیادہ افراد کو گرفتار کیا گیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومتی ادارے اس بات کے پابند ہیں کہ تحفظ پاکستان ایکٹ کے تحت گرفتار افراد کے بارے میں ان کے رشتہ داروں کو آگاہ کریں لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ جبری طور پر لاپتہ افراد کے لواحقین کی تنظیم کا کہنا ہے کہ قانونی تقاضوں کے برعکس نہ ان گرفتاریوں کی تفصیلات جاری کی گئیں اور نہ ہی یہ بتایا گیا کہ ان افراد کو کن حراستی مراکز میں رکھا گیا ہے۔ وائس فار بلوچ پرسنز کے چیئرمین نے کا کہنا تھا کہ نیشنل ایکشن پلان کے تحت گرفتار ہونے والے بعض افراد کو 90 دن سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا لیکن ان کو تا حال کسی عدالت میں پیش نہیں کیا گیا۔ صوبے کے مختلف علاقوں سے کمی و بیشی کے ساتھ لاشوں کی برآمدگی کا سلسلہ اب بھی جاری ہے لیکن بلوچستان کی موجودہ حکومت کا دعویٰ ہے کہ ان میں کمی آئی ہے۔ صوبائی حکومت نے کہا تھا کہ 2014 کے دوران صوبے سے 164 ایسی لاشیں ملی ہیں۔ تاہم پاکستان میں لاپتہ بلوچ افراد کے رشتہ داروں کی تنظیم وائس فار مسنگ بلوچ پرسنز نے اس دعوے کو مسترد کرتے ہوئے کہا تھا کہ سال 2014 میں 435 بلوچ لاپتہ ہوئے جبکہ 455 افراد کی تشدد زدہ لاشیں برآمد ہوئیں۔ بلوچستان کے طول و عرض سے تشدد زدہ لاشوں کی برآمدگی کا سلسلہ 2008 میں شروع ہوا تھا۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس کی مذمت کی ہے اور اسی وجہ سے وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز میں شامل لواحقین نے کوئٹہ سے اسلام آباد تک احتجاجاً پیدل مارچ بھی کیا تھا۔

(نامہ نگار)

نوجوانوں کی بازیابی کا مطالبہ

شہداد کوٹ 18 جنوری کو وارہ تحصیل سے تاوان کے لیے اغواء کئے گئے نوجوان غلام عباس شام کی واپسی کے لیے ورثاء اور شہریوں نے ایک احتجاجی مظاہرہ کیا۔ اس موقع پر علی حسن، شہباز خان اور علی رضا نے میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ مغوی غلام عباس شاہ کو اغواء ہوئے کئی دن گزر چکے ہیں مگر قمبر شہداد کوٹ پولیس مغوی کو بازیاب نہیں کروا سکی۔ انہوں نے اعلیٰ حکام سے مغوی غلام عباس شاہ کی بازیابی کی اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر ایک ہفتے میں مغوی غلام عباس شاہ کو بازیاب نہیں کرایا گیا تو احتجاجی تحریک چلائی جائے گی۔ 13 جنوری کو تحصیل نصیر آباد سے اغواء ہونے والے نعیم بھٹہ اور عاش شر کی بازیابی کے لیے ورثاء نے ایک احتجاجی مظاہرہ کرتے ہوئے پریس کلب کے سامنے بھوک ہڑتال کی جس میں مغویوں کے ورثاء اور شہریوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ اس موقع پر پرویز بھٹی، علی محمد اور علی شاہ نے میڈیا سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ قمبر شہداد کوٹ ضلع میں بدامنی عروج پر جا پہنچی ہے، ہر روز شہریوں کو تاوان کے لیے اغواء کیا جا رہا ہے، انہوں نے کہا کہ پولیس بھی خاموشی سے لوگوں کو اغواء ہوتے دیکھ رہی ہے، انہوں نے مغویوں کی بازیابی کا مطالبہ کیا ہے۔ (ندیم جاوید منگی)

برداشت اور امن کے فروغ میں مقامی فنکاروں کا کردار

گلگت پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق سپیشل ٹاسک فورس گلگت بلتستان کے زیر اہتمام گلگت بلتستان میں برداشت اور امن کے فروغ میں مقامی فنکاروں کا کردار کے عنوان سے 31 دسمبر 2015 کو گلگت پریس کلب کے آڈیٹوریم میں ایک سمینار کا انعقاد کیا گیا۔ سمینار میں فنکار، صحافی، سماجی کارکنان، طلباء اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے خواتین وحضرات کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ صوبائی وزیر ثقافت وامورِ نوجوانان ثوبیہ مقدم بھی شریک تھیں۔ سمینار میں درج ذیل موضوعات پر سہولت کاروں نے گفتگو کی اور اپنے مقالے پیش کئے۔ 'فن اور فنکار کی تعریف اور معاشرے میں ان کی اہمیت'، 'گلگت بلتستان میں فن اور فنکاروں کی تاریخ کا ایک جائزہ'، 'فنکاروں کو درپیش مسائل اور ان کا حل'، 'فنکاروں کی تنظیمیں اور ان کا اتحاد کیسے ممکن ہے'؟ اور 'برداشت اور امن کے فروغ میں مقامی فنکاروں کا کردار'۔ اس کے علاوہ فنکاروں نے امن اور اتحاد و ہم آہنگی کے موضوعات پر لکھے گئے گیت پیش کئے۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی کاوشوں سے بنائی گئی دستاویزی فلمیں اور ڈاکومینٹری بھی دکھائی گئیں، جسے شرکاء نے پسند کیا۔ تقریب کی مختصر روداد ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

تقریب کے اغراض ومقاصد

اسرارالدین اسرار

(کوآرڈینیٹر ایچ آر سی پی، گلگت۔بلتستان چیپٹر)

انسانی حقوق کی تحریک کو فعال بنانے اور اس کے متعلق شعور وآگاہی فراہم کرنے کے لئے لوگوں کی سوچ اور نظریات کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ بحیثیت انسانی حقوق کے کارکن یہ ضروری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ علم اور معلومات حاصل کرے، تاکہ اسے دلیل کیساتھ انسانی حقوق کے نظریہ کو عام لوگوں تک پہنچانے میں آسانی ہو۔ کسی بھی معاشرے میں تمام انسانوں کو ان کے جائز حقوق کے حوالے سے آگاہی فراہم کرنے اور حقوق کے حصول کے لئے سول سوسائٹی کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ انسانی معاشرے میں آج تک جتنی بھی ترقی ہوئی ہے یہ انسانی ضروریات کے ساتھ ساتھ انسانی سوچ میں ترقی کی بدولت ہوئی ہے۔ ہمارا سماج ایک روایتی، زبانی و لسانی سماج ہے۔ یہ وہ سماج ہوتا ہے جو تحقیق وغور وفکر پر کم توجہ دیتا۔ ایسے سماج کے ساتھ ہمیشہ ایسے مسائل درپیش آتے ہیں۔ بدامنی اور عدم برداشت ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح اندر سے کھا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس موضوع کا انتخاب کیا اور یہ سوچ کر کیا کہ برداشت اور امن کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے اور اُس کے فروغ میں جن لوگوں کا کردار ہے ان کی خدمات کو سراہا جائے۔ برداشت کو قبولیت، کشادہ دلی اور اختلاف رائے کا احترام بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ اختلاف مختلف صورتوں میں ہوسکتے ہیں، ایک دوسرے کی رائے، عقیدے اور رسومات میں اختلاف ہوسکتا ہے ان سارے اختلافات کو احترام کے ساتھ دیکھنے کا نام برداشت ہے۔ اگر ہم برداشت کی بات کرتے ہیں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم ظلم وجبر برداشت کرنا شروع کریں اور آواز اٹھانا چھوڑ دیں۔ حق کے لئے آواز اٹھانا پڑتی ہے۔ فن کار اپنے قلم اور فن کے ذریعے پرامن انداز میں آواز بلند کرتے ہیں، اپنی تحریروں، شاعری اور اداکاری سے مظلوم طبقے کے درد کو اجاگر کرتے ہیں اور ان کے حق کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ امن سے مراد تنازعات اور جنگ سے چھٹکارہ حاصل کرنا ہے کیونکہ تنازعات میں ہتھیار کے استعمال سے انسان عدم تحفظ کا شکار ہوجاتے ہیں، نسلیں تباہ ہوجاتی ہیں اور ترقی کا عمل رک جاتا ہے جس سے انسانی معاشرہ تباہی وبربادی کا شکار ہوجاتا ہے۔ دنیا میں دو بڑی جنگوں میں آٹھ کروڑ افراد لقمہء اجل بن گئے۔ اس کے اثرات اب بھی موجود ہیں۔ اب بھی پوری دنیا جنگ کی حالت میں ہے۔ ہمارے گلگت بلتستان میں 1988 سے اب تک ایک ہزار کے لگ بھگ افراد فرقہ واریت اور نفرت کی وجہ سے جان بحق ہوئے اور کئی زخمی ہوئے، نہ صرف یہ بلکہ ہمارے ذہنوں میں اب تک خوف کے اثرات موجود ہیں۔ دنیا میں امن کے لئے بہت ساری کوششیں کی جارہی ہیں۔ لوگوں کو تعلیم وآگاہی کے ذریعے امن اور برداشت کی طرف لایا جارہا ہے۔ علاقائی اور ملکی سطح پر ان تمام کاوشوں میں فنکاروں نے ہمیشہ مثبت کردار ادا کیا ہے۔ برداشت اور امن دراصل معاملہ فہمی اور ادراک سے پیدا ہوتا ہے یہ دو چیزیں اس وقت ہونگی جب ہم فطرت سے اپنے آپ کو زیادہ قریب تر کریں گے۔ فنکار ہمیشہ قدرت اور قدرت کے بنائی ہوئی چیزوں پر غور وفکر کرتے ہیں اور لوگوں کے لئے لطافت اور خوشی کا سامان فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

> انسانی حقوق کی تحریک کو فعال بنانے اور اس کے متعلق شعور وآگاہی فراہم کرنے کے لئے لوگوں کی سوچ اور نظریات کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ بحیثیت انسانی حقوق کے کارکن یہ ضروری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ علم اور معلومات حاصل کرے، تاکہ اسے دلیل کیساتھ انسانی حقوق کے نظریہ کو عام لوگوں تک پہنچانے میں آسانی ہو۔ کسی بھی معاشرے میں تمام انسانوں کو ان کے جائز حقوق کے حوالے سے آگاہی فراہم کرنے اور حقوق کے حصول کے لئے سول سوسائٹی کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔

طارق حسین شاہ (صدر گلگت پریس کلب)

گلگت بلتستان میں برداشت اور امن کے فروغ کیلئے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے اس سمینار کا انعقاد کیا ہے جس کے لئے ہم ایچ آر سی پی کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور ان کی کاوشوں کو سراہتے ہیں۔ اس سمینار کے انعقاد کا مقصد علاقے کو درپیش مسائل کے حوالے سے آگاہی فراہم کرنا اور عدم برداشت کے تدارک کیلئے حکمت عملی ترتیب دینا ہے۔ سمینار میں شرکت کرنے پر ہم آپ تمام شرکاء کے بھی شکرگزار ہیں۔ گلگت بلتستان میں تیزی سے بڑھتے ہوئے انتہا پسندانہ رویوں اور عدم برداشت کی وجہ سے نہ صرف مذہبی کشیدگی میں اضافہ ہورہا ہے بلکہ اس کی وجہ سے معاشرے پر دیگر برے اثرات بھی مرتب ہورہے۔ ہمیں چھوٹے چھوٹے کشیدگی سے بالاتر ہوکر رواداری اور برداشت کے تصور کو فروغ دینے کی ضرورت ہے، تاکہ ہم امن کی فضا میں زندگی گزار سکیں۔ جب سے گلگت بلتستان میں فرقہ واریت اور مذہبی تعصّبات کا آغاز ہوا، اس وقت سے لیکر اب تک دوبارہ امن قائم کرنے اور لوگوں کے دلوں میں محبت اور بھائی چارگی کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے فنکاروں نے گراں قدر خدمات سر انجام دی ہیں، اس کے لئے انہیں مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا اور کچھ کو دھمکیاں بھی ملیں لیکن انھوں نے قلم کے ذریعے نفرت اور تعصب کے خلاف جہاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ آج گلگت بلتستان میں امن قائم ہے اور ہر طبقہ فکر کے لوگ فروعی اختلافات سے بالاتر ہوکر اس علاقے کی ترقی اور خوشحالی کے

لئے جدوجہد کررہے ہیں۔ان کاوشوں میں فنکاروں کا بھی اہم کردار ہے جو اپنے قلم،اداکاری اور موسیقی کے ذریعے دلوں میں محبت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فن اور فنکار کی تعریف اور معاشرے میں ان کی اہمیت

پروفیسر محمد ظفر شاکر

ہم پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے منتظمین کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ وہ اس دھرتی میں امن و برداشت کے بادِ صبا کو ہمہ وقت چلتا رہنا چاہتے ہیں۔کسی چیز کے اجزا کو یکساں کرنا اور بے ترتیب چیزوں کو ترتیب سے رکھنے کے ہنر کو فن کہتے ہیں۔انسانوں کی بستی میں بسنے والے یہ ہنرمند افراد جو کسی نہ کسی طرح فنون لطیفہ سے وابستہ ہیں معاشرے کی تعمیر و ترقی اور اس کے اصل رخ کو اجاگر کرتے ہیں جن کا احاطہ عام انسانی آنکھ ہرگز نہیں کرتی۔ شاعر کہتا ہے،

تو ہی نادان چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ دامن بھی ہے

قلم کی نوک سے صرف مصوری کے رنگوں کی پھوار نہیں پھوٹتی بلکہ اس کی نوک سے الفاظ کے موتی بھی بکھرتے ہیں۔ نوکِ قلم سے الفاظ کے موتی بکھیرنے والے لفظوں کے ذریعے احساسات اور جذبات کی صور پھونکتے ہیں اور لفظوں کی ایسی مالا تیار کرتے ہیں جو ٹوٹے دلوں کے ترجمان بنتے ہیں۔کہیں یہ پڑھ کر اشکوں کا سیلاب امڈ آتا ہے تو کہیں قہقہوں اور مسکراہٹوں کے دھنک بکھیرتے ہیں،لفظوں کے رگوں میں زندگی کا لہو دوڑانے والوں کو کہیں ادیب کا نام دیا جاتا ہے تو کہیں وہ شاعر کہلاتے ہیں۔فنِ کلام سے آشنا لوگ حروف سے بنے تنکوں کو چن چن کر امید اور میثاق کے گلشن آباد کرتے ہیں۔

شاعر اپنے کلام کے ذریعے امید کے دیے روشن کرتے ہیں۔اشکوں کے سمندر میں امید کی کشتیاں چلاتے ہیں۔خود درد میں رہتے ہیں لیکن لوگوں کے درد کو محسوس کرتے ہیں۔ ایک مشہور فنکار کہتا ہے کہ میں پتھر کو تراش کر مجسمہ نہیں بناتا بلکہ پتھر میں چھپے ہوئے مجسمے کو پتھر سے باہر نکالتا ہوں۔شاعر کے اچھوتے خیالات اشعار کے سانچے میں ڈھل کر صنفِ شاعری کا روپ دھار لیتے ہیں تو پھر کچھ فنکار ان اشعار کو اپنی مدھر آواز میں ہماری سماعتوں تک پہنچاتے ہیں،ان کی آواز نہ صرف ہمارے کانوں میں رس گھولتی ہیں بلکہ ہمارے انگ انگ کو لطف و سرور کے شراروں سے بھر دیتی ہے۔دنیا ایسے فنکاروں کو گلوکار کے نام سے یاد کرتی ہے۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جو محبت بانٹتے ہیں۔جو زندگی کے جھلستے صحرا میں شجرِ سایہ دار کی طرح خود تو جلتے ہیں مگر دوسروں کو ٹھنڈی چھاؤں فراہم کرتے ہیں۔ہمارا معاشرہ ایک عجیب صورتحال سے گزر رہا ہے، نفرتوں کے بادل دلوں کے آسمانوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ لیکن ہماری دھرتی ادبی اعتبار سے پوری طرح بانجھ نہیں ہے۔ یہاں اب بھی ادیب،شعراء،گلوکار، اداکار اور قلم کاروں کا ایک قافلہ موجود ہے اسلئے مجھے یقین ہے کہ خزاں کی فصل ہمارے چمن سے ضرور رخصت ہوگی،فصلِ گل پھر سے لوٹے گی اور یہ چمن پھر آباد ہوگا۔

> قلم کی نوک سے صرف مصوری کے رنگوں کی پھوار نہیں پھوٹتی بلکہ اس کی نوک سے الفاظ کے موتی بھی بکھرتے ہیں۔نوکِ قلم سے الفاظ کے موتی بکھیرنے والے لفظوں کے ذریعے احساسات اور جذبات کی صور پھونکتے ہیں اور لفظوں کی ایسی مالا تیار کرتے ہیں جو ٹوٹے دلوں کے ترجمان بنتے ہیں۔

برداشت اور امن کے فروغ میں مقامی فنکاروں کا کردار

جمشید خان دُکھی (شاعر)

اس اہم موضوع پر عظیم الشان سمینار منعقد کرنے پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی کاوشوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔جس سے یقیناً گلگت بلتستان اور مملکت خداداد پاکستان میں موجود عدم برداشت کے خاتمے اور امن کے فروغ پر مثبت اثرات مرتب ہونگے۔ میں بنیادی طور پر ایک شاعر ہوں اور یہی میری پہچان کا باعث ہے۔ موجودہ معاشرتی و علاقائی صورتحال کے حوالے سے اپنے ایک کلام سے گفتگو کا آغاز کرونگا۔

تعصب سے بھرپیغام یہ ہے
بہاوخون،درسِ عام یہ ہے
مسلمانوں کا گرانجام یہ ہے
میں کافر ہوں،اگر اسلام یہ ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ بگڑے ہوئے معاشرتی حالات سے فکروادب اور علم ودانش سے منسلک طبقے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔معاشرتی ناہمواریوں،ظلم وستم اور جبر و استحصالی قوتوں کے خلاف ادیب اور فنکار ہمیشہ آوازِ حق بلند کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ فنکاروں کا نعرہ صداقت، عدل و انصاف، اخوت،محبت اور حسنِ معاشرت پر مبنی ہوتا ہے۔قیام پاکستان کے بعد 70 کی دہائی میں گلگت بلتستان میں ایف سی آر کے کالے قانون کا دور تھا،اس دوران ان علاقوں میں ادبی اور صحافتی سرگرمیوں میں ملوث ہونا تو درکنار سوچنا بھی ممکن نہیں تھا۔تعلیم و آگاہی کے حوالے سے گلگت بلتستان کے علاقے تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔گلگت کے مشہور پروفیسر عثمان علی صاحب اس دور کو دورِ بے ادب کہتے ہیں۔جب ایف سی آر کا خاتمہ ہوا، یہاں ادب اور فنون لطیفہ کے لئے ماحول سازگار ہونا شروع ہوا اور قلمکار سر اٹھانے لگے، مقامی سرگرمیوں کی خبریں بھی اخبارات کی زینت بننے لگیں اور شعراء کرام کے مذاحمتی کلام بھی منظرِ عام پر آنے لگے۔تحریری اور تقریری ادب کے ذریعے احساسات اور جذبات کا اظہار شروع ہوا اور سیمناروں مشاعروں اور ادبی محفلوں کے کا سلسلہ شروع ہوا۔

ہمارے دل میں تعصب بھرا ہے،نفرت ہے
میرے خیال میں اس کی وجہ جہالت ہے
یہ رنگ و نسل کے بت توڑنا عبادت ہے
ہے کوئی فاتح عالم تو وہ محبت ہے

اس زمانے میں ادبی وفکری تنظیموں کا قیام عمل میں آنے لگا۔قراقرم رائٹرز فورم،حلقۂ اربابِ ذوق،بلتی آرٹ کونسل، ناردرن ایریاز سوشل اینڈ کلچرل ایسوسی ایشن، ادارہ عارف، خانہ حکمت، بروشسکی ریسرچ اکیڈمی،،بلتستان ادبی بورڈ سکردو، کاروانِ ہمدرد خپلو، حلقہ علم وادب بلتستان، شینا ادبی مرکہ، بزم علم وسخن سکردو، دیامر رائٹرز فورم، انجمنِ فکر وسخن نگر، وخی تاجک کلچرل ایسوسی ایشن اور دیگر کئی تنظیموں کا قیام عمل میں آیا۔ یہ قلم اور اہل قلم ہی کے جلوے ہیں جس کے زریعے احساس وشعور اور آگاہی کا نور اس علاقے میں پھیلنے لگا۔فنونِ لطیفہ جہالت کی تاریکیاں دور کردیتا ہے اور امن وسکوں، پیار ومحبت اور تسکینِ قلب عطا کرتا ہے۔ جو ادب خونِ جگر سے پرورش پاتا ہے وہ اہل زمیں کے لئے ہمیشہ کی زندگی کا نسخہ بن جاتا ہے کیونکہ دل سے نکلنے والی باتوں کی تاثیر کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا،اس میں قوم کی بھلائی اور خوشحالی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔موسیقی ہو یا شاعری، سیاست ہو یا علم، دین ہو یا ہنر ان سب کے دامن میں نہایت ہی قیمتی موتی موجود ہے۔ کیونکہ ان ساری چیزوں کی نمود انسان کے ضمیر سے ہوتی ہے۔

اگر ادیب کی تحریر شاعر کے کلام میں بیداری، ترقی اور زندگی کا پیغام ہو تو اس کے جادو سے مردہ قوم میں نئی اور تازہ زندگی پیدا ہوتی ہے۔

کب تک رہیں گے شاہ کی سواری بنے ہوئے
رہبر بھی قوم کے ہیں مداری بنے ہوئے
اہلِ شمال بیٹھ کر سونے کی کان میں
دردر بھٹک رہے ہیں بھیکاری بنے ہوئے
(جمشید خان دُکھی)

فنون لطیفہ اظہار رائے کا ایک موثر طریقہ ہے، جس میں موسیقی، شاعری، ڈرامہ، تھیٹر اور رقص شامل ہیں۔ ادب اور فنون لطیفہ کے ذریعے معاشرے میں مثبت سوچ پیدا کی جاسکتی ہے، قدیم تہذیبوں میں بھی فنون لطیفہ کے ذریعے انسانی معاشروں کی اصلاح کی گئی ہے۔ ہر معاشرہ میں بسنے والے لوگوں کا اپنا ضابطہ اخلاق اور زندگی گزارنے کیلئے اچھے اور برے کا تصور ہوتا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں اعلیٰ اقدار، ثقافت اور ادب موجود ہو تو وہاں کی اخلاقی قدروں میں بگاڑ پیدا نہیں ہوتا۔ موسیقی، مصوری اور شاعری انسان کے اندر برداشت پیدا کرتی ہے۔

فنکاروں کی تنظیمیں اور ان کا اتحاد کیسے ممکن ہے

جابر خان جابرؔ (گلوکار)

فنکار دراصل اپنے علاقے اور روایات کے سفیر ہوتے ہیں یہ جہاں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں وہاں لوگ انھیں علاقے کی نسبت سے جانتے ہیں اور ان کی قدر کرتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہم اپنے اندر وہ مادہ پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں کہ اپنے علاقے اور ثقافت کی بہتر ترجمانی کر سکیں، ہم منتشر ہیں اور مختلف گروہوں کی صورت میں ایک دوسرے کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گلگت بلتستان میں آج تک کسی مولوی یا شیخ نے کسی فنکار کا راستہ نہیں روکا، ہم فنکار ہی ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے ہیں۔ بحیثیتِ فنکار ہم اس علاقے مین امن قائم کرنے اور رواداری کی فضا پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ہمیں خود اپنے اندر وہ خوبیاں پیدا کرنی چاہئیں کہ لوگ ہمارے فن کو پسند کریں۔ ہمیں متحد ہوکر اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ آپس کی غلط فہمیوں اور خامیوں کا خاتمہ کر کے اس دھرتی اور یہاں کے ثقافت کی بہتر ترجمانی کرسکیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر قابلیت پیدا کریں اور محنت سے کام کریں۔

فنکاروں کو درپیش مسائل اور ان کا حل

سلمان پارسؔ (گلوکار)

ادیب، شاعر اور گلوکار خوبصورت لفظوں کے ذریعے معاشرے کا حقیقی عکس پیش کرتے ہیں اور انسانی رویوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مصور رنگوں کے ذریعے قدرت کے بنائے ہوئے حسین مناظر اور تصاویر کے ذریعے معاشرتی اور سماجی برائیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ادب اور فنونِ لطیفہ معاشرے کے سدھار میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور انسانوں کو برداشت، رواداری اور دیگر اعلیٰ اقدار سکھاتے ہیں۔ انسان کسی بھی معاملے میں انتہا پسند ہوں لیکن ان کے دل میں ذوق کا عنصر ضرور موجود ہوتا ہے اور وہ کسی نہ کسی طریقے سے اس کا اظہار اور ذوق کی تسکین کیلئے شاعری، مصوری او رآرٹ کا سہارا لیتے ہیں۔ گلگت بلتستان میں فنکاورں کے لئے حکومت کی طرف سے حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی یہی وجہ ہے کہ یہ طبقے اکثر و بیشتر معاشی لحاظ سے تنگدستی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور اپنے فن کی طرف توجہ نہیں دے سکتے۔ ان کے لئے سرکاری سطح پر پالیسی بنانے کہ ضرورت ہے اور اندرون و بیرونِ ملک فن کا مظاہرہ کرنے کے موقع پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو۔ علاقائی سطح پر مختلف موقعوں پر ثقافتی پروگرامز منعقد کرنا چاہئیں تاکہ نئے فنکاروں کو اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے مواقع میسر آسکیں۔

گلگت بلتستان میں فن اور فنکاروں کی تاریخ کا ایک جائزہ

امتیاز حسین شہکی (شاعر و گلوکار)

فنون لطیفہ اظہار رائے کا ایک موثر طریقہ ہے، جس میں موسیقی، شاعری، ڈرامہ، تھیٹر اور رقص شامل ہیں۔ ادب اور فنون لطیفہ کے ذریعے معاشرے میں مثبت سوچ پیدا کی جا سکتی ہے، قدیم تہذیبوں میں بھی فنون لطیفہ کے ذریعے انسانی معاشروں کی اصلاح کی گئی ہے۔ ہر معاشرہ میں بسنے والے لوگوں کا اپنا ضابطہ اخلاق اور زندگی گزارنے کیلئے اچھے اور برے کا تصور ہوتا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں اعلیٰ اقدار، ثقافت اور ادب موجود ہو تو وہاں کی اخلاقی قدروں میں بگاڑ پیدا نہیں ہوتا۔ موسیقی، مصوری اور شاعری انسان کے اندر برداشت پیدا کرتی ہے۔ فنکار خوبصورت رنگوں اور تراشے ہوئے لفظوں کے ذریعے لوگوں تک اپنا پیغام پہنچا سکتے ہیں، جس کے ذریعے نہ صرف معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے بلکہ یہ شاہکار ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ اگر ہم موسیقی کے حوالے سے بات کریں تو تاروں کی مختلف آوازوں سے خوبصورت ساز بنتے ہیں جس سے انسان کو سرور ملتا ہے۔ اسی طرح ہم انسانوں کو بھی گھل مل کر ایک خوبصورت معاشرے وجود لانا ہے۔ جہاں مل کر اپنے مسائل کا حل تلاش کرسکیں گے۔ گلگت بلتستان میں پہلے کی نسبت ادب اور فنونِ لطیفہ میں کافی حد تک بہتری آئی ہے۔ مختلف ادبی تنظیموں کے قیام سے اس شعبے میں نوجوان سامنے آرہے ہیں جو مستقبل میں علاقے کا نام روشن کرسکیں گے۔ امن کے فروغ کے لئے گلگت بلتستان آرٹ کونسل نے گزشتہ سالوں میں کئی پروگرامز کئے جسے لوگوں نے بہت سراہا اور پسند کیا۔ ایسے پروگرامز کے ذریعے ہم اس علاقے مین امن اور بھائی چارے کی فضا پیدا کرسکتے ہیں۔ یہاں کی تمام مقامی زبانوں سے تعلق رکھنے والے فنکار اپنی بساط کے مطابق کوشش کر رہے ہیں لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے ہم اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کافی حد تک پیچھے ہیں۔ گلگت اور بلتستان کے فنکار اب نیشنل اور انٹرنیشنل سطح پر پرفارم کر کے ملک کا نام روشن کر رہے ہیں جو کہ ہمارے لئے فخر کی بات ہے۔

محترمہ ثوبیہ مقدم

(صوبائی وزیر سیاحت و ثقافت گلگت بلتستان)

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے زیر انتظام اس اہم موضوع پر سمینار منعقد کرنے پر میں ایچ آر سی پی گلگت آفس کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ یقیناً اس قسم کے پروگرام کا انعقاد ہماری ذمہ داری ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے پاس وسائل موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہم اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکتے۔ فنکاروں نے بھی اپنے مسائل بیان کئے اور مفید مشورے بھی دے۔ گزشتہ پانچ سالوں میں اگر ثقافت کے فروغ میں کچھ کام ہوا ہوتا تو آج میرے لئے کام کرنا بہت آسان ہوجاتا، پھر بھی بحیثیتِ صوبائی وزیر میری کوشش ہوتی ہے کہ مجھے جو ذمہ داریاں دی گئی ہیں ان شعبوں میں کچھ نہ کچھ کام کرسکوں۔ وزارت سنبھالنے کے بعد ثقافت کے فروغ کیلئے پالیسی بنانے کی پوری کوشش کی لیکن چند نا مساعد حالات اور مجبوریوں کی وجہ سے اس کو پایہء تکمیل تک نہیں پہنچا سکے۔ دیامر میں فنکاروں کے لئے ایک مکمل پروگرام ترتیب دیا گیا تھا لیکن وہ بھی منعقد نہیں کر سکے۔ اس طرح کے پروگرامز منعقد کرنے سے نہ صرف ہماری ثقافت محفوظ رہے گی بلکہ ہماری پہچان بھی زندہ ہوگی۔ اب ہم نے فنکاروں کے لئے ایک پالیسی بنائی ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ ہم اپنے فنکاروں کو بہتر مقام دلاسکیں تاکہ وہ باعزت زندگی گزار سکیں۔ ہمارے معاشرے میں عدم برداشت اور امن و امان کی صورتحال پہلے کی نسبت کافی بہتر ہے لیکن اس میں مزید بہتری لانے کی ضرورت ہے۔ ہمیں مل کر اس علاقے سے فرقہ واریت اور نفرت و تعصّبانہ رویوں کا تدارک کرنا ہوگا، اس کے لئے سرکاری سطح پر کوششوں کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر بھی مثبت کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

(حیدر علی گوجالی، ایچ آر سی پی گلگت چیپٹر)

کاری، کارو کہہ کر مار ڈالا:

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور ''جہدحق'' کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 25 دسمبر سے 24 جنوری تک 21 افراد پر کاروکاری کا الزام لگا کر قتل کر دیا گیا۔ جن میں 13 خواتین اور 8 مرد شامل ہیں۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	آلہ واردات	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	واقعہ کی بظاہر کوئی اور وجہ	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن / اخبار
27 دسمبر	روشن کھکھرانی	مرد	-	-	نعمت کھکھرانی	بندوق	-	گوٹھ بھٹو فارم، نحوں دیرو، لاڑکانہ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
28 دسمبر	افروز جتوئی	خاتون	20 برس	شادی شدہ	جڑیل اور امید علی جتوئی	بندوق	دیور، چچا	نزد باگڑجی، سکھر	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
30 دسمبر	بشیراں جتوئی	خاتون	-	-	ممتاز جتوئی	بندوق	بھائی	گوٹھ دوسو جتوئی، رستم، شکارپور	-	درج	-	روزنامہ کاوش
یکم جنوری	نجمہ جتوئی	خاتون	-	شادی شدہ	ممتاز جتوئی	-	خاوند	نزد باگڑجی۔ سکھر	-	-	-	روزنامہ کاوش
02 جنوری	نادیہ جتوئی	خاتون	21 برس	شادی شدہ	مولا بخش جتوئی	-	خاوند	لکھی درشکارپور	-	درج	-	روزنامہ کاوش
03 جنوری	نادیہ جٹ	خاتون	-	-	نواز جٹ	کلہاڑی	بھائی	ڈگھڑی، بدین	-	درج	-	روزنامہ کاوش
03 جنوری	امتیاز کھکھرانی	خاتون	-	-	نعمت کھکھرانی	-	بھائی	نزد نحوں دیرو، لاڑکانہ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
04 جنوری	عظمیٰ پریو	خاتون	-	شادی شدہ	وحید پریو	بندوق	بھائی	پھل، نوشہرو فیروز	-	درج	-	روزنامہ کاوش
05 جنوری	غلام فرید بھٹو	مرد	-	شادی شدہ	انور کھوکھر	بندوق	-	نحوں دیرو، لاڑکانہ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
09 جنوری	کونج بھنبھرو	خاتون	20 برس	-	اللہ ڈنو بھنبھرو	بندوق	باپ	گوٹھ پیر بخش پتافی، خانپور مہر، گھوٹکی	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
09 جنوری	علی اکبر پتافی	مرد	25 برس	-	اللہ ڈنو بھنبھرو	بندوق	-	گوٹھ پیر بخش پتافی، خانپور مہر، گھوٹکی	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
10 جنوری	اکبر جروار	مرد	40 برس	-	ندیم اور نثار جروار	بندوق	رشتے دار	نزد نحوں دیرو، لاڑکانہ	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
13 جنوری	لعل خاتوں چنہ	خاتون	18 برس	غیر شادی شدہ	ایاز چنہ	لاٹھی	بھائی	اسحاق دیرو، مدیجی، شکارپور	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
14 جنوری	-	خاتون	-	-	-	-	-	گوٹھ امام بخش بنگوار، کندھ کوٹ، کشمور	-	-	-	روزنامہ کاوش
17 جنوری	فرزانہ گولاٹو	خاتون	-	شادی شدہ	طارق گولاٹو	گلا گھونٹ کر	خاوند	گوٹھ ایاز گوٹو، کندھ کوٹ، کشمور	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
17 جنوری	مریم گولاٹو	خاتون	-	شادی شدہ	طارق گولاٹو	گلا گھونٹ کر	دیور	گوٹھ ایاز گوٹو، کندھ کوٹ، کشمور	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
19 جنوری	رفیق مگسی	مرد	-	-	-	بندوق	-	نزد یوسف شاہ درگاہ، لاڑکانہ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
19 جنوری	فاطمہ مگسی	خاتون	-	-	-	بندوق	-	نزد یوسف شاہ درگاہ، لاڑکانہ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
19 جنوری	عمر گولاٹو	مرد	26 برس	-	سندر اور بہرام گولاٹو	بندوق	برادری والے	گوٹھ واجب گولاٹو، رسالدار، کندھ کوٹ، کشمور	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
19 جنوری	علی بخش گڈانی	مرد	-	-	گبول برادری	بندوق	-	روہڑی، سکھر	-	درج	-	روزنامہ کاوش
23 جنوری	عبدالرحمان	مرد	40 برس	-	نامعلوم افراد	بندوق	-	شیر شاہ کراچی	-	درج	-	روزنامہ کاوش

عورتیں

بیوی کی جان لے لی

عمرکوٹ 10 جنوری کوتھر کے گوٹھ غلام شاہ کھاریو کے رہائشی گل حسن خاص خیلی نے صحافیوں، انسانی حقوق کے کارکنوں اور سامارو پولیس کو شکایت کی کہ سامارو شہر سے کچھ فاصلے پر موجود گوٹھ چوہدری اختر میں بیاہی ہوئی اس کی بیٹی مرادی کو اس کے شوہر نے اپنے چچا اور کزن سے مل کر قتل کر دیا اور قتل کو طبعی موت قرار دے کر نعش کو دفنا دیا گیا۔ اس واقعے کو تقریباً دس دن ہوگئے ہیں۔ اس قتل کے واقعے کا مقدمہ درج کر کے جوابداروں کو گرفتار کر کے انصاف کیا جائے۔ متاثرہ شخص کی طرف سے سامارو پولیس کو تحریری شکایت بھی کی گئی۔ سامارو پولیس نے مذکورہ گوٹھ پر چھاپہ مار کر ملزم محمد علی خاصخیلی کو گرفتار کرلیا۔ ملزم نے اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ میں نے دوسری شادی کی غرض سے اپنے کزن کے کہنے پر مرادی کو کمر میں لاتیں مار کر قتل کر کے اور واقعے کو طبعی موت قرار دے کر نعش کو مقامی قبرستان میں دفن کر دیا۔ سامارو پولیس نے مقتولہ کے والد کی فریاد پر محمد علی اور اس کے کزن حمید اور جمعہ کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کرلیا ہے۔ (اوکہو منروپ)

خواتین کو ہراساں کرنے کے خاتمے کا بل منظور

کوئٹہ بلوچستان اسمبلی نے 16 جنوری کو متفقہ طور پر کام کی جگہوں پر خواتین کو ہراساں کرنے کے خاتمے کے لیے نئے قانون کی منظوری دے دی ہے۔ صوبائی وزیر اطلاعات عبدالرحیم زیارت وال نے 'بلوچستان کی خواتین کو کام کی جگہوں پر ہراساں کرنے کے خاتمے کیلئے بل' 2015 صوبائی اسمبلی میں پیش کیا۔ مذکورہ بل کو صوبائی اسمبلی کی اسٹینڈنگ کمیٹی برائے خواتین کی ترقی کی جانب سے کی جانے والی سفارشات کو شامل کرنے کے بعد منظور کیا گیا۔ کمیٹی کی چیئرپرسن ڈاکٹر شمع اشفاق نے کہا کہ میں اسٹینڈنگ کمیٹی کے تمام اراکین کو مبارک باد پیش کرتی ہوں' کہ خواتین کے خلاف تشدد ختم کرنے کے لئے بل کی منظوری کے دوران اسمبلی کے اراکین کی جانب سے کسی بھی قسم کی مخالفت سامنے نہیں آئی'۔ ان کا کہنا تھا کہ اب بلوچستان کی خواتین بغیر کسی خوف کے آزادانہ طریقے سے کام کرسکیں گی۔ ڈاکٹر شمع اشفاق نے حکومت اور متعلقہ اداروں پر زور دیا کہ وہ نئے قانون کے حوالے سے خواتین میں آگاہی پیدا کریں۔ صوبائی اسمبلی کے وزراء سرفراز بگٹی اور مجیب الرحمن محمد حسنی، اور قانون ساز عبدالرحمن کھیتران اور اظہر حسین کھوسہ نے اس اُمید کا اظہار کیا ہے کہ مذکورہ قانون کے ذریعے کام کی جگہوں پر خواتین کو ہراساں کرنے کی روک تھام ہوگی۔ ان کا کہنا تھا کہ بلوچستان کے قبائلی معاشرے میں خواتین کو احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ انھوں ں ے ڈاکٹر شمع اشفاق، عورت فاونڈیشن، اسٹینڈنگ کمیٹی کے اراکین اور دیگر اداروں مذکورہ بل کی تیاری میں اپنا کردار ادا کرنے کے اقدامات کو سراہا۔ بلوچستان اسمبلی کی اسپیکر راحیلہ حمید درانی نے کہا کہ قانون کا ذاتی مقاصد کے لیے غلط استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ اسمبلی نے متفقہ طور پر ایک قرارداد بھی منظور کی، جس میں وفاق سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ بلوچستان میں فائبر آپٹیکل کیبل کو بچھانے کے کام پر صوبائی حکومت سے تجاویز حاصل کرنے کے لیے وفاقی وزارت انفارمیشن ٹیکنالوجی کو پابند کریں۔ مذکورہ قرارداد صوبائی وزیر اطلاعات عبدالرحیم زیارت وال اور نصراللہ خان زیرئے، سید لیاقت آغا، منصور احمد کاکڑ، عبدالمجید اچکزئی، ویلیم برکات، معصومہ حیات اور ارفع صدیقی نے مشترکہ طور پر پیش کی تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ اربوں روپے مختص کیے گئے لیکن وزارت نے بلوچستان میں فائبر آپٹیکل کیبل کے لیے صرف سات فیصد مکمل کیا ہے۔ اس میں مزید کہا گیا کہ وزارت دیگر سہولیات فراہم کرنے میں بھی ناکام رہی ہے۔

(نامہ نگار)

غیرت کے نام پر خاتون قتل

شانگلہ 4 جنوری کو شانگلہ میں اطلاعات کے مطابق امن نوبل انعام یافتہ ملالہ یوسف زئی کے گاؤں میں ایک بااثر مذہبی اور سیاسی خاندان سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون کو 'غیرت' کے نام پر قتل کر دیا گیا ہے۔ پولیس نے واقعے کی تحقیقات شروع کر دی ہے اور اس سلسلے میں ایک دو دنوں میں خاتون کی قبرکشائی کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ شاہ پور پولیس چوکی کے انچارج شمس الحق نے بی بی سی کو بتایا کہ ایک ہفتے قبل گاؤں میں کلثوم نامی ایک خاتون کی ہلاکت کی اطلاع ملی تھی۔ انھوں نے کہا کہ گاؤں میں یہ افواہیں گرم تھیں کہ کلثوم کی موت طبعی نہیں بلکہ انھیں تشدد کے بعد زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے جس کے بعد پولیس نے دفعہ 156 کے تحت کارروائی کرتے ہوئے خاتون کی قبرکشائی اور لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پولیس اہلکار کے مطابق خاتون کے خاوند اور والد نے لاش کا پوسٹ مارٹم نہیں کروایا تھا جس کے بعد ان کی قبرکشائی اور پوسٹ مارٹم کرنے کی کارروائی کی جارہی ہے۔ تاہم انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ قبرکشائی کس دن کی جائیگی۔ انھوں نے کہا کہ 30 سالہ کلثوم کے خاوند کا تعلق ایک بااثر مذہبی اور سیاسی خاندان سے بتایا جاتا ہے۔ یہ اطلاعات بھی ہیں کہ خاتون کے خاوند کا تعلق بااثر مذہبی گھرانے سے ہونے کی وجہ سے پولیس نے ابتداء میں اس ہلاکت کو خودکشی قرار دیا تھا تاہم بعد میں اس کی تحقیقات کا فیصلہ کیا گیا۔ ادھر شاہ پور گاؤں کے باشندوں کا کہنا ہے کہ کلثوم کی شادی 15 سال کی عمر میں ان کی مرضی کے بغیر 56 سال کے ایک بوڑھے شخص سے ہوئی تھی۔ انھوں نے کہا کہ کلثوم 15 سال تک خاوند کے گھر میں رہیں لیکن عمر میں زیادہ فرق ہونے کی وجہ سے ان کی خاوند سے نہیں بن پائی اور انھیں تشدد کا نشانہ بھی بنایا جاتا رہا۔

(نامہ نگار)

غیرت کے تصور نے ایک اور جان لے لی

لکی مروت ڈسٹرکٹ پولیس افسر نے اپنے فرائض میں مجرمانہ غفلت برتنے پر ایک اسسٹنٹ سب انسپکٹر سمیت چھ پولیس اہلکاروں کو معطل کر دیا۔ ان اہلکاروں کو جوڈیشل کمپلیکس تاجازئی، لکی مروت میں تعینات کیا گیا تھا جہاں ایک خاتون کو قتل کر دیا گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ اسے عزت کے نام پر قتل کیا گیا ہے۔ قتل سے دو ماہ قبل مقتولہ کے والد نے امین اللہ اور اس کے بھائی سمیع اللہ کے خلاف اپنی بیٹی کے اغواء کا مقدمہ درج کروایا تھا۔ مقتولہ اپنا ریکارڈ بیان کروانے عدالت آئی تھی مگر جونہی وہ کمرہ عدالت سے باہر آئی، اس کے بھائیوں نے اس پر فائرنگ کر دی جس سے وہ جاں بحق ہوگئی۔ لڑکی کے بھائیوں کو اس بات کا رنج تھا کہ وہ امین اللہ نامی شخص کے ساتھ پسند کی شادی کرنا چاہتی تھی۔ غزنی خیل پولیس سٹیشن نے اے ایس آئی کی مدعیت میں لڑکی کے قتل کا مقدمہ درج کرلیا مگر اس رپورٹ کے ارسال ہونے تک ملزمان مفرور تھے۔

(ایچ آر سی پی، پشاور چیپٹر آفس)

قانون نافذ کرنے والے ادارے

فائرنگ سے دو پولیس اہلکار ہلاک

کوئٹہ پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ میں نامعلوم مسلح افراد کے حملے میں دو پولیس اہلکار ہلاک ہوگئے۔ یہ واقعہ 8 جنوری کو شہر کے ملتانی محلّہ کے علاقے میں پیش آیا۔ گوالمنڈی پولیس سٹیشن کے ایک اہلکار نے بی بی سی کو بتایا کہ ملتانی محلّہ کے علاقے میں دو پولیس اہلکار ایک مسجد اور بیکری کے قریب سکیورٹی پر تعینات تھے کہ نامعلوم مسلح افراد نے ان پر فائرنگ کردی۔ پولیس اہلکار کے مطابق حملے کے نتیجے میں دونوں پولیس اہلکار ہلاک جبکہ حملہ آور فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ پولیس اہلکار نے ابتدائی تفتیش کے حوالے سے بتایا کہ یہ ٹارگٹ کلنگ واقعہ ہے۔ خیال رہے کہ رواں ہفتے کے دوران کوئٹہ شہر میں پولیس اہلکاروں پر حملے کا یہ دوسرا واقعہ ہے۔ اس سے قبل سریاب روڈ کے علاقے میں نامعلوم مسلح افراد کی فائرنگ سے دو پولیس اہلکار ہلاک ہوگئے تھے۔ کوئٹہ سمیت بلوچستان کے دیگر علاقوں میں گذشتہ سال پولیس اہلکاروں پر حملوں کے 32 مختلف واقعات پیش آئے۔ ان حملوں میں 36 پولیس اہلکار ہلاک اور 20 زخمی ہوئے تھے۔ کوئٹہ کے علاقے کچلاک سے متصل ضلع پشین کے علاقے پوٹی ناصران میں گذشتہ روز ایک شخص ہلاک ہوا تھا۔ پشین میں لیویز فورس کے ذرائع کے مطابق ہلاک ہونے والے شخص کی شناخت محمد عالم کے نام سے ہوئی ہے جن پر نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے حملہ کیا تھا۔ بعض اطلاعات کے مطابق محمد عالم طالبان کا کمانڈر تھا لیکن لیویز فورس کے ذرائع نے اس بات کی تصدیق نہیں کی۔ ذرائع کے مطابق محمد عالم سابق جنگجو رہا ہے۔

(بی بی سی اردو)

انسانی حقوق، طلبہ قیادت کی بیرون ملک منتقلی

کراچی پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں سرگرم انسانی حقوق اور طلبہ تنظیم کی قیادت بیرونِ ملک منتقل ہوگئی ہے۔ یہ قیادت یہاں مظاہروں اور بھوک ہڑتالوں کے علاوہ احتجاجی مارچوں میں متحرک رہی ہیں۔ اب وہ بیرون ملک کردار ادا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ بلوچستان سے لاپتہ افراد کی لواحقین کی تنظیم وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کے رہنما عبدالقدیر بلوچ اور فرزانہ مجید پاکستان کے کئی شہروں میں بھوک ہڑتالیں اور لانگ مارچ کرنے کے بعد جہاں انھوں نے نیویارک تک لانگ مارچ کے لیے سٹیٹ ڈپارٹمنٹ کو درخواست دی ہے۔ عبدالقدیر بلوچ کا کہنا ہے کہ وہ امریکہ کانگریس کے ارکان، سفارت کاروں، انسانی حقوق کی تنظیموں اور عالمی میڈیا کو بلوچستان میں جاری انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے بارے میں اپنا موقف پیش کرنے آئے ہیں۔ 'بلوچستان میں ہمارے نوجوانوں کو لاپتہ کیا جارہا ہے۔ انھوں نے کسی کو نہیں بخشا، چھوٹے معصوم بچوں تک کو گھروں میں گھس کر مارا ہے، وہاں کا چپہ چپہ خون آلود ہے۔' بلوچستان میں گذشتہ کئی سالوں سے فورسز کا آپریشن اور آزادی پسندوں کی چھاپہ مار کارروائیاں جاری ہیں، اس دوران انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزیوں کی بھی خبریں سامنے آتی رہی ہیں۔ وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کا دعوٰی ہے کہ 2015 کے دوران صوبے بھر سے مزید 463 افراد جبری طور پر لاپتہ کیے گئے اور 157 بلوچ افراد کی مسخ شدہ لاشیں برآمد ہوئیں۔ تاہم بلوچستان کے محکمہ داخلہ کا دعوٰی ہے کہ مجموعی طور پر 129 افراد کی تشدد زدہ لاشیں برآمد ہوئیں جن میں سے 40 بلوچ تھے۔ وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کی رہنما فرزانہ مجید بلوچ کا کہنا ہے کہ بلوچستان میں اب بھی بڑی تعداد میں لوگوں کو لاپتہ کیا جارہا ہے۔ 'پاکستان میں کوئی بھی ادارہ ہماری دادرسی نہیں کرتا جس کی وجہ سے بیرون ملک آکر آواز اُٹھانے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ ایک چھوٹے سے بچے کے ساتھ بھی آرمی کی رٹ ہے۔ عبدالقدیر بلوچ، فرزانہ مجید اور بلوچ ہیومن رائٹس آرگنائزیشن کی رہنما بی بی گل سمیت درجن کے قریب لواحقین نے کوئٹہ سے اسلام آباد تک پیدل لانگ مارچ بھی کیا۔ گذشتہ سال کیچ میں ایک مبینہ آپریشن کے دوران بی بی گل کے گھر کو نذرِ آتش کردیا گیا تھا۔ کریمہ بلوچ کا کہنا ہے کہ وہ اس بات کو مانتی ہیں جو کچھ ان کے دوستوں، رضا جہانگیر، قمبر چاکر اور زاہد کے ساتھ ہوا یا بی ایس او آزاد کے دوسرے ارکان کے ساتھ کیا گیا وہ ان کے ساتھ بھی ہوسکتا تھا، لیکن وہ پاکستان سے یہاں جان بچانے کی نیت سے نہیں بلکہ پاکستان ریاست بلوچستان میں کیا کچھ کررہی ہے، وہ بتانے کے لیے آئی ہیں۔ 'اڑھائی کروڑ آبادکار جو گوادر اور اس کے گردونواح میں آباد کرنے کا منصوبہ ہے اگر اتنی بڑی آبادی وہاں آباد ہوگی تو بلوچستان کی کی مقامی آبادی جو 80 لاکھ ہے اس کا کیا ہوگا؟ بلوچستان حکومت بیرون ملک مقیم آزادی پسند بلوچ رہنماؤں سے مذاکرات میں مصروف ہے، جن میں بلوچ ریپبلکن پارٹی کے سربراہ براہمداغ بگٹی نے لچک کا بھی مظاہرہ کیا تھا۔ گذشتہ سال بلوچستان کے وزرا نے نیویارک میں ریلی کا بھی انعقاد کیا تھا۔ صحافی ملک سراج کا کہنا ہے کہ پاکستان حکومت بیرون ممالک یہ تاثر دینے کی کوشش کرتی ہے کہ بلوچستان اس کا اندرونی معاملہ ہے اور حالات بالکل ٹھیک ہیں۔ 14 اگست کے موقعے پر بھی بلوچستان سے کچھ وزرا کو نیویارک بلا کر یہی تاثر دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ بلوچ پاکستان حکومت سے خوش ہیں۔' اوباما کی ڈیموکریٹک پارٹی کی طرف سے بلوچستان کے مسئلے پر اب تک کچھ نہیں کہا گیا۔ ریپبلکنز نے بھی پاکستان سے اسامہ بن لادن کے برآمد ہونے کے بعد پاکستان کی رسوائی کے لیے بلوچوں کے مسئلے کو کانگریس میں اجاگر کیا، ورنہ میرا نہیں خیال کہ انھیں بلوچوں سے اتنی محبت ہے، اسی طرح یورپی ممالک بھی اس مسئلے میں بہت زیادہ دلچسپی نہیں لیتے۔ (بی بی سی اردو)

تین تشدد زدہ لاشیں برآمد

کوئٹہ پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں ایران سے متصل ضلع کیچ سے اتوار کو تین افراد کی تشدد زدہ لاشیں ملی ہیں۔ ضلع کے ہیڈکوارٹر تربت میں انتظامیہ کے ذرائع نے لاشیں ملنے کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ یہ لاشیں ہیرونک سے ملیں۔ ذرائع کے مطابق تینوں افراد کو گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا۔ ان افراد کو ہلاک کرنے کی وجوہات معلوم نہیں ہوسکیں تاہم سکیورٹی افواج نے تین روز قبل ان علاقوں میں سرچ آپریشن کیا تھا۔ کوئٹہ میں 14 جنوری کو فرنٹیئر کور کے ترجمان کی جانب سے جاری ہونے والے ایک بیان کے مطابق ان افراد کا تعلق کالعدم تنظیم سے تھا جو فائرنگ کے تبادلے میں مارے گئے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ہیرونک سے ملنے والی لاشیں انھی تین افراد کی ہیں یا دیگر کی۔ قوم پرست جماعت بلوچ نیشنل موومنٹ کی جانب سے اس حوالے سے میڈیا کو ایک بیان بھی جاری کیا گیا ہے۔ بیان کے مطابق ان میں سے ایک لاش پارٹی کے نائب صدر مقصود بلوچ کی ہے۔ بیان میں الزام عائد کیا گیا ہے کہ مقصود بلوچ کو چار روز قبل دوران سفر ہوشاپ سے سیکورٹی فورسز نے جبری طور پر لاپتہ کیا تھا۔ ادھر افغانستان سے متصل بلوچستان کے دو اضلاع قلعہ سیف اللہ اور پشین سے سیکورٹی فورسز نے کالعدم تحریک طالبان پاکستان سے تعلق کے الزام میں چار افراد کو گرفتار کرلیا۔ فرنٹیئر کور کے ترجمان کے مطابق ان میں سے ایک کارروائی پشین کے علاقے کلی کربلا میں کی گئی جہاں سے تین افراد کو گرفتار کیا گیا جبکہ دوسری کارروائی قلعہ سیف اللہ کے علاقے نسئی میں کی گئی جہاں سے ایک شخص کو گرفتار کیا گیا۔

(نامہ نگار)

'پاکستان میں فوجی انصاف پر تشویش کا اظہار'

کراچی پاکستان میں فوجی عدالتوں کے قیام کا ایک برس گزرنے پر انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس کی جانب سے جاری کی جانے والی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں 'فوجی انصاف' کے نظام میں منصفانہ انداز میں مقدمہ چلانے کے حق کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا۔ 6 جنوری کو انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس کے ایشیا کے ڈائریکٹر سیم ظریف کے مطابق فوجی عدالتوں میں چلنے والی مقدمات کی وجہ حقوق انسانی کے گروپوں اور قانونی برادری کے ان خدشات پر دوبارہ یقین ہوا ہے کہ پاکستان میں فوجی عدالتوں کی کارروائی کو خفیہ، غیر شفاف رکھا جاتا ہے اور پاکستان کی منصفانہ عدالتی کارروائی کی اندرونی اور بین الاقوامی ذمہ داریوں کے لیے باعث تضحیک ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ پاکستان کو اس وقت دہشت گردی کرنے والے شدت پسند گروہوں سے حقیقی خطرہ ہے اور حکومت اپنے شہریوں کو ایسے واقعات بچانے کی ذمہ داری بھی ہے لیکن عدالتی نظام میں فوج کو شامل کرنے سے انصاف حاصل نہیں ہوگا اور اس سے دہشت گردی نہیں رکے گی۔ تنظیم کی رپورٹ کے مطابق فوجی عدالتوں کی ایک برس کی کارکردگی کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدمات میں دفاع کرنے والوں کے منصفانہ عدالتی کارروائی کے حق کا احترام نہیں کیا گیا۔ کمیشن کی رپورٹ کے مطابق فوجی عدالتیں قومی اور بین الاقوامی معیار سے کافی نیچے ہیں۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ انھیں ایسی اطلاعات ملی ہیں کہ فوجی عدالتوں میں جن مشتبہ افراد کے مقدمات چلے ہیں انھیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا، ان سے بدسلوکی کی گئی اور فوجی حکام کی جانب سے ان افراد کے اہلخانہ کو ارکان کو خوفزدہ کیا گیا اور دھمکایا گیا۔ فوج کی جانب سے اہلخانہ کے افراد اور سول سوسائٹی کے مانیٹرز کو حراستی مراکز تک رسائی نہ دینے سے ایسے خدشات میں اضافہ ہوتا ہے۔ پشاور میں سکول پر حملے کے بعد فوجی عدالتوں کے قیام پر اتفاق کیا گیا تھا۔ کمیشن نے پاکستان پر زور دیا ہے کہ وہ 'فوجی انصاف' کے نظام کو ختم کردے اور انسداد دہشت گردی سے متعلق قوانین، پالیسیوں اور لائحہ عمل کا جامع جائزہ لے تاکہ اس امر کو یقینی بنایا جاسکے کہ یہ پاکستان کی قومی اور بین الاقوامی ذمہ داریوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ دوسری جانب پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس کے موقف سے اتفاق کیا ہے۔ کمیشن کی چیئرپرسن زہرہ یوسف کا کہنا ہے کہ ان کی تنظیم نے آغاز سے ہی اس کی مخالفت کی تھی، اس عمل میں شفافیت نہیں ہے، خاندان والوں کو اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے خاندان کے فرد کو سزا ہوئی ہے۔ اس میں صفائی، کس بنیاد پر سزا دی جارہی ہے اور دیگر معاملات میں ابہام ہے۔ زہرہ یوسف کے مطابق انھیں بھی اُس وقت حیرت ہوئی تھی جب سپریم کورٹ نے فوجی عدالتوں کے خلاف درخواست کی سماعت میں فوجی عدالتوں کے قیام کو برقرار رکھا، جب کہ وہ پہلے دو بار اس کو کالعدم قرار دے چکی ہیں۔ (بشکریہ بی بی سی اردو)

دھماکے سے دو کوسٹ گارڈز ہلاک

کوئٹہ بلوچستان کے ساحلی ضلع گوادر میں ایک بم حملے میں کوسٹ گارڈز کے دو اہلکار ہلاک اور تین زخمی ہوگئے ہیں۔ یہ واقعہ 8 جنوری کو ضلع گوادر میں جیونی کے علاقے کلدان میں پیش آیا اور کوسٹ گارڈز کی ایک گاڑی دھماکے کا نشانہ بنی۔ گوادر کی انتظامیہ کے اہلکار نے اس واقعے کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ نامعلوم افراد نے علاقے میں سڑک کنارے دھماکہ خیز مواد نصب کیا تھا۔ ان کے مطابق دھماکہ خیز مواد اس وقت پھٹ گیا جب کوسٹ گارڈز کے ایک واٹر ٹینکر سمیت دو گاڑیاں وہاں سے گزر رہی تھیں۔ اہلکار کے مطابق دھماکہ ریموٹ کنٹرول کے ذریعے کیا گیا اور اس کا نشانہ بننے والے اہلکار پانی لینے جارہے تھے۔ دھماکے میں زخمی ہونے والے اہلکاروں کو طبی امداد کے لیے ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔ اس حملے کی ذمہ داری کالعدم عسکریت پسند تنظیم بلوچ لبریشن آرمی نے قبول کی ہے۔ یہ بلوچستان میں سکیورٹی فورسز کے لیے پانی فراہم کرنے والی گاڑیوں پر دو ہفتوں میں دوسرا حملہ ہے۔ اس سے قبل 29 دسمبر کو مستونگ میں ایف سی کی حفاظتی چوکیوں پر تعینات اہلکاروں کے لیے پانی لے جانے والی گاڑی دھماکے کا نشانہ بنی تھی اور اس حملے میں ایک اہلکار مارا گیا تھا۔

(نامہ نگار)

ایف سی کی گاڑی پر بم حملہ، چھ ہلاک

کوئٹہ پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں دیسی ساختہ بم کے دھماکے میں ہلاک ہونے والے ایف سی اہلکاروں کی تعداد چھ ہوگئی ہے جبکہ ایک زخمی ہے۔ ایف سی کے اہلکار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بی بی سی کو بتایا کہ یہ واقعہ 18 جنوری کو کوئٹہ کے مشرق میں 50 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع علاقے مارگٹ میں پیش آیا۔ اہلکار کا کہنا ہے کہ ایف سی کے جوانوں کی ایک گشتی گاڑی سڑک کنارے نصب ریموٹ کنٹرول بم کا نشانہ بنی۔ ان کے مطابق اس واقعے میں پانچ اہلکار موقع پر ہی ہلاک ہوگئے جبکہ دو زخمی اہلکاروں کو ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔ اس سے قبل 29 دسمبر کو مستونگ میں بھی دیسی ساختہ بم کے دھماکے میں ہی ایف سی کا ایک اہلکار ہلاک ہوگیا تھا۔ فرنٹیئر کور کے مطابق صوبہ بلوچستان میں سنہ 2015 کے دوران بلوچستان کے مختلف علاقوں میں فرنٹیئر کور کے اہلکاروں پر مسلح شدت پسندوں نے 941 حملے کیے۔ حکام کے مطابق ان جھڑپوں اور دھماکوں میں فرنٹیئر کور کے 43 اہلکار مارے گئے تھے۔ (نامہ نگار)

نیشنل ایکشن پلان: ایک سال میں 334 افراد کو پھانسی

اسلام آباد نیشنل ایکشن پلان کے تحت 148 مقدمات فوجی عدالتوں میں منتقل کیے گئے جبکہ ملک بھر میں 334 افراد کو پھانسی دی گئی۔ حکومت نے کراچی میں آپریشن سے بھتہ خوری اور دیگر وارداتوں میں واضح کمی کا بھی دعوی کیا۔ قومی ایکشن پلان کی رپورٹ قومی اسمبلی میں پیش کی گئی جس کے مطابق ملک بھر سے 148 مقدمات فوجی عدالتوں میں منتقل کیے گئے جبکہ 334 دہشت گردوں کو پھانسی دی گئی۔ وزارت داخلہ کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ ملک بھر میں 2159 دہشت گرد ہلاک اور 1724 گرفتار ہوئے۔ رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا کہ کراچی میں بھتہ خوری کے واقعات میں 56 فیصد کمی ہوئی ہے جبکہ کراچی سے 890 دہشت گرد گرفتار کیے گئے، اس کے علاوہ 676 اشتہاری ملزمان، 10462 مفرور ملزمان، 124 اغواء کار، 545 بھتہ خور اور 1834 قاتل بھی گرفتار ہوئے۔ رپورٹ کے مطابق ملک بھر میں نفرت انگیز تقاریر پر 2337 مقدمات درج کر کے 2195 افراد کو حراست میں لیا گیا، نفرت انگیز مواد رکھنے والی 73 دکانیں بھی سیل کی گئیں۔ وزارت داخلہ کی رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر ایکٹ کی خلاف ورزی پر 9164 مقدمات درج ہوئے جن کی بنیاد پر 9340 افراد کو گرفتار کیا گیا اور 2452 آلات قبضے میں لیے گئے۔ دہشت گردی کے لیے ہنڈی حوالہ اور دیگر ذرائع سے مالی مدد کے 214 مقدمات درج ہوئے اور 322 گرفتاریاں عمل میں آئیں جبکہ 356.56 ملین روپے برآمد ہوئے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 9 کروڑ 83 لاکھ موبائل فون سمز کی بائیومیٹرک تصدیق کی گئی جبکہ مختلف تنظیموں کی 10 ویب سائٹس اور 933 یو آر ایلز بھی بلاک کیے گئے۔ واضح رہے کہ 16 دسمبر 2014 کو پشاور کے آرمی پبلک اسکول پر حملے کے بعد حکومت نے دہشت گردی کے خاتمے کے لیے قومی ایکشن پلان مرتب کیا تھا جس کے تحت نہ صرف دہشت گردوں کے خلاف کارروائیوں کا دائرہ بڑھایا گیا، بلکہ 6 سال سے غیر اعلانیہ طور پر سزائے موت پر عملدرآمد پر عائد پابندی ختم کر کے ملک بھر کی جیلوں میں قید مجرموں کو پھانسیاں دینا شروع کی گئیں۔ اس پلان کے تحت حکومت نے فوجی عدالتوں کو قائم کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے، اس سلسلے میں پارلیمنٹ میں 21 ویں ترمیم کو بھی منظور کیا گیا۔ (نامہ نگار)

صحت

پولیو ورکروں پر حملہ

ٹھٹھہ 15 دسمبر کو ٹھٹھہ کے علاقے میر پور سکرو میں مقامی دیہاتیوں نے حملہ کر کے دو پولیو ورکروں کو زخمی کر دیا۔ پولیو ورکر یاسمین چنّا اور اس کے خاوند نذیر چنّا پر اس وقت حملہ کیا گیا جب وہ ٹھٹھہ کے علاقے میر پور سکرو کے گاؤں عثمان چنّا میں بچوں کو پولیو کے قطرے پلانے گئے۔ ملزمان نے انہیں تشدد کا نشانہ بنایا اور ان کے کپڑے بھی پھاڑ دیے۔ اسی دوران کچھ دیہاتی موقع پر پہنچے اور ان کی جان بچائی۔ پولیس نے ڈی سی اور ڈی ایچ او ٹھٹھہ کے حکم پر لال محمد اور عمر چنّا کو گرفتار کر لیا۔ ملزمان کا خاندان متاثرین پر مقدمہ واپس لینے کے لئے دباؤ ڈال رہا ہے۔ متاثرین نے مطالبہ کیا ہے کہ انہیں تحفظ فراہم کیا جائے۔

(نامہ نگار)

پولیو کا ایک اور کیس

پشاور خیبر پختونخوا کے دارالحکومت پشاور میں پولیو کا ایک اور معاملہ سامنے آ گیا جس کے بعد ملک بھر میں کیسز کی تعداد 53 تک پہنچ گئی ہے۔ پشاور کے نواحی علاقے شکر پورہ کے ایک سالہ بچے محمد معاذ میں پولیو وائرس کی تصدیق ہوئی ہے۔ ذرائع نے بتایا کہ بچے کے والدین نے پولیو کے قطرے پلانے سے انکار کیا تھا۔ پولیو کا نیا کیس سامنے آنے کے بعد پشاور میں پولیو کیسز کی تعداد 11 اور خیبر پختونخوا میں 16 ہوگئی ہے جبکہ ملک بھر میں پولیو کیسز کی تعداد 53 تک پہنچ گئی ہے۔ واضح رہے کہ پاکستان کا شمار دنیا کے ان تین ممالک میں ہوتا ہے، جہاں پولیو وائرس پایا جاتا ہے۔ لک میں پولیو کے بڑھتے ہوئے کیسز کے باعث جون 2014 میں عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) نے پاکستان سے بیرون ملک سفر کرنے والے افراد کے لیے پولیو ویکسین کو لازمی قرار دیا تھا۔ المیہ یہ ہے کہ کچھ پاکستانی والدین پولیو ویکسین کو حرام قرار دے کر اپنے بچوں کو پولیو کے قطرے پلوانے سے گریز کرتے ہیں۔ انسدادِ پولیو مہم کی دستاویزات کے مطابق ہمارے معاشرے میں یہ تصور 2004 میں اس وقت پروان چڑھا جب چند دقیانوسی عناصر نے اس قسم کی باتیں عام کرنا شروع کر دیں کہ پولیو ویکسین میں بچوں کو بانجھ بنانے کے لیے جان بوجھ کر چند انسانی ہارمون شامل کیے جاتے ہیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ بہت سے پولیو رضا کار اس بیماری کے خلاف جنگ میں اپنی جانیں یا اپنے ہاتھ پاؤں گنوا چکے ہیں۔ اعلیٰ کام سے گزارش ہے کہ وہ اس طرح خصوصی توجہ دیں۔

(نامہ نگار)

انسداد پولیو مرکز کے قریب دھماکا، 14 افراد ہلاک

کوئٹہ کوئٹہ میں ایک خودکش بم حملے میں کم از کم 14 افراد ہلاک اور 25 زخمی ہوئے ہیں۔ یہ دھماکا 13 جنوری کو شہر کے سیٹلائٹ ٹاؤن کے علاقے میں بچوں کو حفاظتی ٹھیکے لگانے کے مرکز کے ساتھ ہوا۔ اس حملے میں پولیس اور ایف سی کے ان اہلکاروں کو نشانہ بنایا گیا جو کہ پولیو ٹیموں کی سکیورٹی کے لیے جمع ہوئے تھے۔ بلوچستان کے وزیر میر سرفراز بگٹی نے جائے وقوعہ پر میڈیا کے نمائندوں کو بتایا کہ دھماکہ اس وقت ہوا جب اس علاقے سے پولیو کی ٹیمیں بچوں کو قطرے پلانے کے لیے روانہ ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ دھماکے میں 14 افراد ہلاک ہوئے جن میں پولیس کے 13 اہلکاروں کے علاوہ ایف سی کا ایک اہلکار شامل ہے۔ ڈی آئی جی آپریشنز کوئٹہ سید امتیاز شاہ نے بتایا کہ دھماکہ خودکش تھا۔ زخمیوں کو فوری طور پر سول ہسپتال کوئٹہ پہنچایا گیا۔ سول ہسپتال کوئٹہ کے میڈیکل سپرانٹنڈنٹ ڈاکٹر عبدالرحمان میاں خیل نے بتایا کہ مجموعی طور پر 25 زخمیوں کو سول ہسپتال لایا گیا۔ ہلاک ہونے والوں میں پولیس کے تین انسپیکٹرز اور چار سب انسپیکٹرز بھی شامل تھے۔ سول ہسپتال میں ایک زخمی پولیس اہلکار نے بتایا کہ وہ وہاں کھڑا تھا کہ زوردار دھماکہ ہوا۔ انھوں نے بتایا کہ جب وہ اپنی گاڑی کی جانب گئے تو وہاں دیکھا کہ ان کے دو ساتھی نیچے پڑے ہوئے تھے۔ دھماکے میں پولیس اور ایف سی کی دو گاڑیوں، ایک رکشے کے علاوہ چار دکانوں کو بھی نقصان پہنچا۔ خیال رہے کہ پاکستان میں انسداد پولیو ٹیموں اور ان کی سکیورٹی پر تعینات پولیس اہلکاروں پر ماضی میں بھی حملے ہوتے رہے ہیں اور ایک اندازے کے مطابق دسمبر 2012 سے لے کر اب تک انسداد پولیو ٹیموں پر ہونے والے حملوں میں 80 کے قریب افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ (نامہ نگار)

2015، سندھ میں ایڈز کے مزید 298 کیسز کا انکشاف

حیدرآباد اندرون سندھ میں ایچ آئی وی ایڈز کے مریضوں کی تعداد میں تشویشناک حد تک اضافہ ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔ سال 2015ء میں ایچ آئی وی ایڈز کے مزید 298 کیسز سامنے آئے ہیں۔ جن میں سے پندرہ مریض جاں بحق ہو گئے۔ رجسٹرڈ مریضوں کی مجموعی تعداد 1034 ہوگئی ہے۔ مجموعی طور پر 97 مریض جاں بحق ہو چکے۔ سندھ حکومت کے ایڈز کنٹرول پروگرام کے تحت لاڑکانہ کے چانڈکا میڈیکل ہسپتال میں قائم ایڈز سے بچاؤ کے مرکز کے مطابق لاڑکانہ سمیت متعدد اضلاع میں سال 2015ء میں ایچ آئی وی ایڈز کے مریضوں کی تعداد میں کافی حد تک اضافہ ہوا ہے۔ جس کے دوران مزید 298 ایچ آئی وی ایڈز کے کیسز سامنے آئے جنہیں رجسٹرڈ کیا گیا۔ ان میں 237 مرد، 57 خواتین اور دو بچے شامل ہیں جبکہ ان میں سے حالات تشویشناک ہونے کے باعث پندرہ افراد جاں بحق ہو گئے۔ ذرائع کے مطابق ایچ آئی وی ایڈز سینٹر میں 2007ء سے لے کر 2015ء تک رجسٹرڈ مریضوں کی مجموعی تعداد 1034 تک جا پہنچی ہے جن میں سے جاں بحق ہونے والے مریضوں کی مجموعی تعداد 97 ہو چکی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ رجسٹرڈ مجموعی مریضوں میں 96 شادی شدہ افراد اور 26 خواجہ سرا شامل ہیں۔ ذرائع کے مطابق ایچ آئی وی ایڈز کے رجسٹرڈ مریضوں میں سے 86 کو ہیپاٹائٹس سی، 7 مریض ہیپاٹائٹس بی جبکہ 31 مریض ٹی بی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ رجسٹرڈ مریضوں میں اکثریت کا تعلق سندھ میں سے کراچی گیارہ اضلاع اور بلوچستان کے تین اضلاع سے ہے۔ ان میں لاڑکانہ ضلع کے 564، قمبر شہداد کوٹ کے 158، شکار پور کے 27، خیر پور کے 86، جیکب آباد کے 18، کشمور کے 12، سکھر کے 38، دادو کے 80 گھوٹکی کے 10، جامشورو کے 7، نوشہرو فیروز کے 14، کراچی کا ایک، قلات کے 6، جعفر آباد کے 11 اور نصیر آباد کا ایک مریض شامل ہے۔ دوسری جانب رجسٹرڈ مریضوں میں 16 بچے، 18 سال سے کم عمر کے 32، اٹھارہ سال سے 30 سال تک کے 549، 31 سال سے 40 سال تک کے 277، 41 سے پچاس سال تک کے 120، 51 سال سے 60 سال تک کے 30 اور 61 سال سے 70 سال تک عمر کے 10 مریض شامل ہیں۔

(لالہ عبدالحلیم)

بچے

ہسپتال میں جاں بحق ہونے والے کمسن بچے کے ورثاء کا احتجاج

ٹوبہ ٹیک سنگھ 24 جنوری کو ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہسپتال میں آکسیجن نہ ملنے کے باعث چار ماہ کا بچہ جاں بحق ہو گیا تھا جس کے ورثا نے احتجاج کیا ہے۔ ڈی ایچ کیو ہسپتال کی ایمرجنسی میں ڈاکٹر کی عدم دستیابی اور آکسیجن نہ ملنے کے باعث چار ماہ کے بچے کی موت کے بعد کوئی کارروائی نہ ہونے پر دوبارہ احتجاج کیا گیا۔ احتجاج میں شریک افراد نے وزیراعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس واقع کا نوٹس لیں اور ذمہ داروں کے خلاف کارروائی کریں۔ ٹوبہ کے نواحی چک 301 گ ب کے محمد شاہد نے احتجاج کرتے ہوئے صحافیوں کو بتایا کہ اس کے چار ماہ کے بیٹے ابوبکر کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی جسے ریسکیو 1122 کی گاڑی میں ڈی ایچ کیو ہسپتال کی ایمرجنسی میں داخل کروایا گیا۔ ہسپتال پہنچنے پر کوئی ڈاکٹر اور عملہ موجود نہیں تھا جبکہ ڈیوٹی ڈاکٹر علیحدہ ایک کمرے میں سویا ہوا تھا جس نے بچے کو بغیر چیک اپ چلڈرن وارڈ میں بھیج دیا۔ صحافیوں کو شاہد نے بتایا کہ نرس از خود بچے کو آکسیجن لگانے کی کوشش کرتی رہی مگر سلنڈر میں آکسیجن ہی نہیں تھی جس پر وہ بچے کو نرسری روم میں لے گئی مگر وہاں بھی آکسیجن دستیاب نہیں تھی جس سے اس کا بچہ جاں بحق ہو گیا۔

(نامہ نگار)

مردہ بچوں کی پیدائش میں پاکستان سرفہرست

پیرس طبی جریدے 'دی لانسٹ' کی حالیہ رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ 2015 کے دوران مردہ بچوں کی پیدائش کی شرح کے حوالے سے دنیا کے 186 ممالک میں سے پاکستان سرفہرست ہے۔ طبی جریدے کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں ہر 1 ہزار میں سے اوسطاً 43.1 بچے مردہ پیدا ہوتے ہیں۔ پاکستان کے بعد نائیجیریا، چاڈ، نائیجر، گنی بساؤ، صومالیہ، سینٹرل افریقن ریپبلک، ٹوگو اور مالی بھی اُن ممالک میں شامل ہیں جہاں مردہ بچوں کی پیدائش کی شرح زیادہ ہے۔ رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں پیدا ہونے والے کل 1 ہزار بچوں میں سے 18.4 بچے مردہ پیدا ہوتے ہیں. دی لانسٹ نے رپورٹ کیا ہے کہ دنیا بھر میں یومیہ 7200 بچے مردہ پیدا ہوتے ہیں، یعنی سالانہ 26 لاکھ بچے اور ان میں سے نصف اموات ڈیلوری کے دوران ہوتی ہیں. رپورٹ کے مطابق مردہ پیدا ہونے والے بچوں میں سے 98 فیصد کا تعلق کم اور درمیانی آمدنی والے ممالک سے تھا جبکہ افریقی صحرائے اعظم میں دنیا کے کسی بھی خطے کے مقابلے میں مردہ بچوں کی پیدائش کی شرح سب سے زیادہ ہے. دی لانسٹ کے ایڈیٹرز رچرڈ ہورٹن اور ادانی سماراسکیرا کے مطابق 'اصل خوفناک حقیقت یہ ہے کہ مردہ پیدا ہونے والے بچوں میں سے 13 لاکھ بچے ڈیلوری کے بعد موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔'ان کا کہنا تھا کہ 'اس حقیقت کو ایک عالمی اسکینڈل کے طور پر اٹھایا جانا چاہیے کہ ڈیلوری کے وقت یہ بچے زندہ ہوتے ہیں، لیکن پیدائش کے چند گھنٹوں میں ہی بنیادی سہولیات مہیا نہ ہونے کے باعث وہ موت کا شکار ہو جاتے ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے۔' رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ مردہ پیدا ہونے والے بچوں میں سے 10 فیصد بچوں کی موت ماؤں کی غذائی قلت یا خراب طرز زندگی جیسے موٹاپا یا سگریٹ نوشی اور مختلف بیماریوں جیسے ذیابیطس، سرطان یا دل کے عارضے میں مبتلا ہونے کے باعث ہوتی ہے۔ دی لانسٹ کے مطابق آئس لینڈ وہ ملک ہے جہاں مردہ بچوں کی پیدائش کی شرح سب سے کم ہے اور یہاں ایک ہزار میں سے اوسطاً 1.3 بچے مردہ پیدا ہوتے ہیں۔ مردہ بچوں کی پیدائش کے حوالے سے دوسری کم ترین شرح ڈنمارک میں ہے جہاں یہ شرح 1.7 ہے۔ اس کے علاوہ سب سے کم مردہ بچوں کی پیدائش والے ممالک کی فہرست میں فن لینڈ، ناروے، نیدرلینڈز، کروئیشیا، جاپان، جنوبی کوریا، پرتگال اور نیوزی لینڈ شامل ہیں۔ (انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

بچی سے نکاح کرنے والا شخص گرفتار

عمرکوٹ عمرکوٹ: 24 دسمبر کو پولیس نے ڈسٹرکٹ اور سیشن جج عمرکوٹ کے حکم پر محلّہ منگریو میں چھاپہ مار کر 35 سالہ دولہے کو گرفتار کر لیا جس کی شادی ایک چھ سالہ بچی سے کی جا رہی تھی۔ عبدالکریم نامی شخص نے عدالت سے رابطہ کیا اور بتایا کہ چھ سالہ بچی آمنہ کی شادی رحیم یار خان سے تعلق رکھنے والے 35 سالہ شخص رفیق راجھڑ سے کی جا رہی تھی۔ عدالت نے شادی کی تقریب میں شرکت کرنے والے تمام افراد کو گرفتار کرنے کا حکم دیا جبکہ نکاح پڑھانے والا مولوی موقع سے فرار ہو گیا اور وہ تا حال مفرور ہے۔ دولہا کے تمام رشتے دار عدالت میں پیش ہوئے اور عدالت نے ان کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے کا حکم دیا۔ رفیق راجھڑ نے بچی کے والدین کو 15 لاکھ روپے دیے تھے۔

(نامہ نگار)

بھٹے کو سیل کر کے چار بچوں کو بازیاب کرا لیا گیا

ٹوبہ ٹیک سنگھ 21 جنوری کو اسسٹنٹ کمشنر واصف بشیر کھوکھر نے ڈسٹرکٹ آفیسر لیبر ویلفیئر چوہدری محمد سعید ڈھلوں کے ہمراہ چک 328 ج ب میں اینٹوں کے بھٹے پر چھاپہ مارا۔ چھاپے کے دوران ٹیم نے وہاں سے کم عمر بچوں کو اینٹوں کی پتھیر کی مشقت کرتے ہوئے برآمد کیا۔ ٹیم نے رمضان برکس بھٹہ کو دس دن کے لیے سیل کر دیا اور بھٹہ مالک محمد اکبر کے خلاف مقدمہ درج کروا دیا۔ اس موقع پر اسسٹنٹ آفیسر لیبر محمد انور، تحصیلدار طارق محمود گوندل بھی ان کے ہمراہ تھے۔ واصف بشیر کھوکھر نے خبردار کرتے ہوئے کہا کہ حکومت پنجاب کے چائلڈ لیبر ایکٹ کی خلاف ورزی کے مرتکب بھٹوں کے خلاف فوری اور بلا امتیاز کارروائی کی جا رہی ہے اور اس قانون پر سختی سے عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ بھٹہ مزدوروں کے بچوں کو سکول داخل کرانے اور ان کو وظیفہ جاری کرنے کا پروگرام مرتب کر لیا گیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ بھٹہ مالکان بچوں سے مشقت لینے سے اجتناب برتیں بصورت دیگر ان کے بھٹے کو سیل کر کے انہیں قید اور جرمانے کی سزا دی جائے گی۔

(نامہ نگار)

تعلیمی سہولیات کے بغیر سکول

کرم ایجنسی کرم ایجنسی کے گاؤں علیشاری نئے کلے میں 1990ء کو مسجد پرائمری سکول قائم کیا گیا تھا۔ جو تا حال اس حیثیت سے برقرار ہے یہ سکول دو کچے کمروں پر مشتمل ہے جس میں چوتھی جماعت تک بچوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ اور ان دو کمروں سے بیک وقت سٹور، دفتر اور پڑھائی کا کام لیا جاتا ہے۔ مقامی لوگوں نے حکام سے مطالبہ کیا کہ اس سکول کو پرائمری سکول کا درجہ دیکر تمام سہولیات فراہم کی جائیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ حالیہ سیکورٹی خدشات کے پیش نظر اگر اس سکول کیلئے عمارت کا بندوبست نہیں کیا جا سکتا تو کم از کم چار دیواری کا بندوبست کیا جائے۔ (نامہ نگار)

پرائمری اسکولوں میں مخلوط تعلیم کا فیصلہ

کوئٹہ بلوچستان حکومت نے لڑکیوں میں شرح تعلیم بہتر بنانے کی کوشش کے طور پر صوبے کے تمام پرائمری اسکولوں میں مخلوط طرز تعلیم شروع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔صوبائی محکمہ تعلیم کے جاری نوٹیفکیشن کے مطابق،اب لڑکیاں صوبے کے تمام پرائمری اسکولوں میں لڑکوں کے شانہ بشانہ تعلیم حاصل کرسکیں گی۔بلوچستان کے سیکریٹری تعلیم صبور کاکڑ نے فیصلے کی بنیادی وجہ لڑکیوں میں شرح تعلیم بہتر بنانے اوران کی اسکولوں میں یقینی داخلے کوقرار دیا۔'اس فیصلے کے بعدصوبے کے تمام اسکولوں کے دروازے لڑکیوں کیلئے کھل جائیں گے'۔خیال رہے کہ بلوچستان حکومت پہلے ہی صوبے میں تعلیمی ایمرجنسی کا اعلان کرچکی ہے۔بلوچستان میں تعلیم کیلئے گلوبل پارٹنرشپ کے ڈائریکٹر اسفندیار خان کاکڑ کہتے ہیں کہ اس پالیسی کی وجہ سے داخلوں کی تعداد بڑھے گی۔بلوچستان محکمہ تعلیم کے مطابق،ضلع ڈیرہ بگٹی میں خواتین کی شرح تعلیم پانچ فیصد سے بھی کم ہے۔وزیراعلی کے سابق مشیر برائے تعلیم سردار رضا محمد نے کچھ ہفتے قبل انکشاف کیا تھا کہ صوبے میں تاحال سولہ لاکھ بچے اسکول نہیں جاتے۔سردار رضا کا مزید کہنا تھا کہ 'بچوں کو لازمی تعلیم فراہم کرنے کیلئے صوبے میں کم ازکم دس ہزار اسکول تعمیر کرنے کی ضرورت ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ،بشکریہ ڈان)

کوئلے کی کان میں حادثہ،دوکان کن ہلاک

کوئٹہ بلوچستان کے علاقے دکی کی ایک کوئلے کی کان میں پیش آنے والے حادثے کے نتیجے میں دوکان کن ہلاک جبکہ ایک زخمی ہوگیا۔لیویز ذرائع کے مطابق کان میں ہزاروں فٹ اندر کررہے تھے۔کان کنوں کو بچانے کے لیے ریسکیو اہلکاروں کو طلب کیا گیا تاہم کان سے دو لاشیں برآمد ہوئیں جبکہ ایک کو بچالیا گیا۔ریسکیو کیے گئے کان کن کو مقامی طبی یونٹ منتقل کردیا جبکہ اس کی شناخت تاحال نہیں ہوسکی۔واقعے کے بعد متاثرہ کان کے قریب متعدد کان کن جمع ہوگئے جنہوں نے اپنے کام کرنے کی صورت حال پر شدید تشویش کا اظہار کیا۔دکی ضلع لورالائی میں واقع ہے جہاں کوئلے کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔

(نامہ نگار)

تنازع کے حل کے لیے کمسن بچیوں کی حوالگی،9 گرفتار

لکی مروت خیبر پختونخوا کے ضلع لکی مروت میں دو کمسن بچیوں کو تنازعہ حل کرنے کے لیے مخالف گروپ کے حوالے کیے جانے پر پولیس نے دولہا سمیت 9 افراد کو گرفتار کرلیا ہے۔پولیس کی جانب سے فراہم کردہ تفصیلات کے مطابق گرفتار کیے گئے افراد کو 'سوارہ' نامی قبائلی روایت پر گرفتار کیا گیا جس میں کسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے قبیلہ کچھ خواتین کو دوسرے قبیلے کے حوالے کرتا ہے۔پولیس نے دونوں بچیوں اور ملزمان کو میڈیا کے سامنے بھی پیش کیا۔ڈی پی او لکی مروت صہیب اشرف نے بتایا کہ تنازعہ کا آغاز اس وقت ہوا جب عید محمد نامی شخص نے مسلم گل کی بیٹی نے پسند کی شادی کرلی۔ڈی او کے مطابق دلہن کے والد شادی سے خوش نہیں تھے اور اس کی وجہ سے دونوں خاندانوں کے درمیان تنازعہ پیدا ہوگیا۔مسئلے کو 'حل' کرنے کے غرض سے جرگے نے عید محمد کو سوارہ کے تحت اپنی دو 12 سالہ بیٹیوں کو 45 سالہ مسلم گل کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔اشرف کے مطابق گل نے بڑی بیٹی سے شادی کرلی اور چھوٹی کو اپنے گھر میں رکھا،بعدازاں پولیس نے والدہ کی شکایت پر کارروائی کی۔کیس کی ایف آئی آر درج کی جاچکی ہے جبکہ مزید تحقیقات کا بھی آغاز کردیا گیا ہے۔

(نامہ نگار)

6 بوری بند لاشیں برآمد

پشاور صوبہ خیبر پختونخوا کے دارالحکومت پشاور سے 4 اور ڈیرہ اسماعیل خان سے 2 افراد کی بوری بند لاشیں برآمد ہوئیں۔ریگی تھانے کے ڈی ایس پی سجاد کے مطابق 4 بوری بند لاشیں پشاور کے علاقے سفید سنگ سے برآمد ہوئیں۔لاشوں کی شناخت 26 سالہ شیر امین،23 سالہ بختیار،21 سالہ عراق اور 19 سالہ محمد رفیق کے ناموں سے ہوئی۔ان کا کہنا تھا کہ چاروں افراد کا تعلق خیبر ایجنسی سے تھا،جبکہ ان کے جسم پر گولیوں کے نشان نہیں ملے۔دوسری جانب ڈیرہ اسماعیل خان کے علاقے یارک سے بھی 2 بوری بند لاشیں برآمد کی گئیں۔دونوں افراد کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا تھا تاہم ان کی شناخت نہیں ہوسکی۔خیال رہے کہ ماضی میں بھی خیبر پختونخوا کے مختلف اضلاع سے لاشیں ملنے کے واقعات پیش آتے رہے ہیں،جن میں بعض شدت پسندوں کی لاشیں بھی شامل تھیں۔خیبر پختونخوا کے علاوہ بلوچستان میں بھی آئے روز تشدد زدہ لاشیں ملنے کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔دو روز قبل بھی ضلع کیچ کے علاقے گورکوپ سے تین لاشیں برآمد ہوئی تھیں۔لیویز کا کہنا تھا کہ تمام افراد کو گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا،جبکہ یہ لاشیں تقریباً تین روز پرانی تھیں۔تقریباً ایک ماہ قبل بلوچستان کے ضلع قلعہ سیف اللہ سے بھی تین مسخ شدہ لاشیں برآمد ہوئیں۔ (نامہ نگار)

گرلز اسکول کے باہر فائرنگ،طالبات خوفزدہ

فیصل آباد صوبہ پنجاب کے شہر فیصل آباد میں لڑکیوں کے ایک سرکاری اسکول کے باہر ہوائی فائرنگ کے بعد خوف ہراس پھیل گیا جبکہ پولیس نے فوری طور پر اسکول کو گھیرے میں لے لیا۔فیصل آباد میں تاندلیانوالہ کے گورنمنٹ گرلز اسکول کے قریب فائرنگ کے بعد طالبات خوف زدہ ہوگئیں اور اسکول میں بھگدڑ مچ گئی۔اسکول کے اساتذہ نے فوری طور پولیس کو اطلاع دی جس کے بعد اہلکاروں کی بھاری نفری اسکول پہنچ گئی۔پولیس نے اسکول کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے کر سرچ آپریشن شروع کردیا،تاہم کسی کی بھی گرفتاری عمل میں نہ آسکی۔فائرنگ کی اطلاع ملتے ہی والدین اور شہریوں کی بڑی تعداد بھی اسکول کے باہر جمع ہوگئی اور انھوں نے احتجاج بھی کیا۔احتجاج کے دوران بعض افراد نے اسکول کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہونے کی بھی کوشش کی،بعد ازاں طالبات کو چھٹی دے کر گھروں کو روانہ کردیا گیا۔خیال رہے کہ 2 روز قبل خیبر پختونخوا میں چارسدہ کی باچا خان یونیورسٹی پر شدت پسندوں نے حملہ کیا تھا جس میں 21 افراد ہلاک ہوگئے تھے،اس حملے نے 16 دسمبر 2014 کو پشاور میں ہونے والے آرمی پبلک اسکول پر حملے کی یاد تازہ کردی کیونکہ یہ حملہ بھی اسی طرز پر کیا گیا تھا۔گزشتہ روز بھی لاہور میں پنجاب یونیورسٹی میں پولیس اور دیگر سیکیورٹی اداروں کی جانب سے انسداد دہشت گردی کی غیر اعلانیہ ریہرسل کی گئی تھی،لیکن انتظامیہ اور طلبہ کی بیخبری کی وجہ سے یونیورسٹی میں شدید خوف و ہراس پھیل گیا اور طالبات خوف کے عالم میں یونیورسٹی سے باہر بھاگنا شروع ہوگئی تھیں۔

(انگریزی سے ترجمہ،بشکریہ ڈان)

انتہا پسندی کی روک تھام اور رواداری کے فروغ کے لیے منعقدہ تربیتی ورکشاپس کی رپورٹس

بھکر 13-14 دسمبر 2015ء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے زیر اہتمام پنجاب کے ضلع بھکر میں ''انتہا پسندی کے خاتمے اور انسانیت دوست اقدار کے فروغ'' کے عنوان سے 13-14 دسمبر کو دو روزہ تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا گیا۔ ورکشاپ میں حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار، طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت، انتہا پسندی کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کیلئے لائحہ عمل، انتہا پسندی کے انسداد/فروغ میں میڈیا کا کردار اور ذرائع ابلاغ سے منسلک افراد کی تربیت کی اہمیت، مذہبی ہم آہنگی اور رواداری وقت کی اہم ضرورت جیسے اہم موضوعات زیر بحث آئے۔ سہولت کاروں میں ایچ آر سی پی کے کوآرڈینیٹر ندیم عباس، ریجنل کوآرڈینیٹر عون محمد، ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر محمد ارسلان رؤف، عمیر رانا اور محمد صدیق شامل تھے۔ شُرکاء میں صحافی، وکلاء، اُساتذہ، سماجی کارکنان، اور طلبہ کی بہت بڑی تعداد شامل تھی۔ علاوہ ازیں ورکشاپ میں "ہم انسان"، "ضمیر کی عینک" اور، "ہم آواز اٹھاتے رہیں گے" کے نام سے دستاویزی فلمیں دکھائی گئیں اور شرکاء کے درمیان رواداری کے فروغ کے لیے گروپ ورک اور گیمز بھی کروائی گئیں اور کشاپ کا آغاز عون محمد نے مہمانوں اور دیگر شُرکاء کو خوش آمدید کہہ کر کیا۔

ورکشاپ کے اغراض ومقاصد

عون محمد

جب زندگی اور مذہب کے درمیان رشتہ کٹ جاتا ہے تو زندگی کسی نہ کسی سمت میں جاری رہتی ہے، لیکن مذہب ایسی بے جان شے بن جاتا ہے جسمیں نہ لچک اور نہ ترقی کی صلاحیت باقی رہتی ہے اور یہ مسجدوں اور خانقاہوں کی حدود میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔ اسلام کیساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے جبکہ انسانیت نے سائنس اور فلسفے میں زبردست ترقی کر لی ہے۔ اسلام کا معجزہ یہ تھا کہ اس نے بت پرستی کا خاتمہ کر دیا اور مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ انہوں نے مذہب کو ایک بت کی شکل دے دی ہے۔ اسلام کے بارے میں اس جدید سوچ سے مذہبی انتہا پسندی کی مخالفت جھلکتی ہے لیکن ریاست اپنی پالیسی کے اعلانات کے باوجود اسلامی اصطلاحات استعمال کرتی رہی۔ پاکستان میں انتہا پسندی کے موضوع پر اگرچہ بہت زیادہ توجہ دی جا رہی ہے مگر اسکے باوجود اسکو سمجھنے اور اسکی وجوہات کی نشاندہی کرنے

جب زندگی اور مذہب کے درمیان رشتہ کٹ جاتا ہے تو زندگی کسی نہ کسی سمت میں جاری رہتی ہے، لیکن مذہب ایسی بے جان شے بن جاتا ہے جسمیں نہ لچک اور نہ ترقی کی صلاحیت باقی رہتی ہے اور یہ مسجدوں اور خانقاہوں کی حدود میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔ اسلام کے بارے میں اس جدید سوچ سے مذہبی انتہا پسندی کی مخالفت جھلکتی ہے لیکن ریاست اپنی پالیسی کے اعلانات کے باوجود اسلامی اصطلاحات استعمال کرتی رہی۔

میں بے شمار شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق انتہا پسندی ایک ایسا طرز عمل ہے جو معاشرتی بے سکونی کا باعث بنتا ہے۔ ایچ آر سی پی کی جانب سے انسانی حقوق کی تعلیم کے فروغ، انتہا پسندی سے آگاہی اور اس کی روک تھام کے لیے پورے ملک میں کوششیں جاری ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کاوش آج کی ورکشاپ ہے اور میں آپ سب کا بہت مشکور ہوں کہ آپ اپنے قیمتی وقت سے کچھ لمحات نکال کر یہاں تشریف لائے ہیں۔ ہمیں مل کر سوچنا ہے کہ انتہا پسندی جیسے سرطان کو روکنے کے لیے کن تدابیر کی ضرورت ہے ورنہ ہمارا معاشرہ بہت تیزی سے زوال کا شکار ہوگا۔ آپ سب سے درخواست ہے کہ ہماری ورکشاپ کے مقصد کو اچھی طرح سمجھیں اور اس کے فروغ میں اپنا کردار ادا کریں۔

حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

ندیم عباس

جدید معاشرہ تین بنیادی ستونوں یعنی ریاستی اداروں، سیاسی جماعتوں اور سول سوسائٹی پر استوار ہے۔ سول سوسائٹی سے مراد آزاد اور خود مختار تنظیمیں ہیں جو سیاسی جماعتوں اور ریاستی اداروں سے مختلف ہوتی ہیں۔ ان میں انسانی حقوق کے تحفظ پر مامور غیر سرکاری تنظیمیں، آزاد اخبارات، ٹی وی و ریڈیو چینلز، ٹریڈ یونینیں، بار کونسلز، ایوان ہائے تجارت اور خیراتی ادارے اور غیر سیاسی مذہبی تنظیمیں وغیرہ شامل ہیں۔ اس نشست میں ہم صرف انسانی حقوق کے تحفظ پر مامور سول سوسائٹی کی تنظیموں کے کردار کا جائزہ لیں گے۔ ریاستی اداروں، سیاسی جماعتوں اور سول سوسائٹی، تینوں کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے مگر انسانی حقوق کے تحفظ کے حوالے سے سول سوسائٹی اس لیے زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ اس کا بنیادی کام ریاستی اقتدار کے استعمال کی متواتر نگرانی کرنا ہے جو کسی بھی معاشرے میں انسانی حقوق کے مقام کا تعین کر رہا ہوتا ہے جبکہ ریاستی ادارے اور سیاسی جماعتیں، دونوں ریاست کے ساتھ اپنے خاص تعلق اور سیاسی مصلحتوں کے باعث یہ فریضہ مؤثر اور منصفانہ انداز سے سرانجام نہیں دے پاتے۔

اس خاص کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے سول سوسائٹی نے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں انسانی حقوق کی پامالیوں کی نشاندہی کی اور ان کی روک تھام کے لیے جہدوجہد کی ہے۔ امریکہ میں غلامی کے خاتمے کی تحریک کو 1833ء میں قائم ہونیوالے امریکی سول سوسائٹی کے ایک بہت بڑے نیٹ ورک ''غلامی مخالف امریکی سوسائٹی'' کی 30 سالہ جہد وجہد سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا جس کی سینکڑوں ذیلی شاخیں تھیں اور لاکھوں کارکن تھے جنہوں نے امریکہ بھر میں غلامی کے خاتمے کے لیے رائے عامہ ہموار کی۔ اسی طرح 1950ء کی دہائی میں امریکی سول سوسائٹی نے نسلی امتیاز کے خاتمے اور تمام امریکی شہریوں کے برابر حقوق کی تحریک چلائی۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ اور اصلاح کلیسا کی تحریکیں اس حوالے سے بہترین مثالیں ہیں جو ترقی پسند ادیبوں، فنکاروں، سماجی کارکنوں، دانشوروں، مذہبی مصلحین، مزدور اور کسان تنظیموں کی منظّم جہدوجہد کی عکاسی کرتی ہیں۔

برصغیر میں علی گڑھ تحریک، انجمن ترقی پسند مصنفین، آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس سمیت درجنوں غیر سرکاری سماجی تنظیمیں معاشرے کی فلاح و بہبود، عوام کے سیاسی وسماجی شعور اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے کوشاں رہیں۔

برصغیر کے مسلمانوں کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان کے حقوق کا پرچم کئی عشروں تک علی گڑھ ٹرسٹ جیسی سول سوسائٹی تنظیموں نے اُٹھائے رکھا اور انہیں اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے سیاسی جہدوجہد کرنے کے قابل بنایا۔ برصغیر کے مسلمانوں کی اجتماعی سیاسی تاریخ 1906ء میں شروع ہوتی ہے۔ اس سے قبل سماجی، ادبی، اور معاشرتی تنظیمیں ہی ان کے حقوق کی آواز بلند کرتی رہی ہیں۔

انسانی حقوق کے تحفظ میں سول سوسائٹی کے کردار کا یہ سلسلہ تقسیم ہندوستان کے بعد بھی جاری رہا۔ پاکستان میں انسانی حقوق کے تحفظ کے حوالے سے خواتین کارکنوں کی تنظیمیں زیادہ موئثر اور منظم ثابت ہوئی ہیں۔ آل ویمن ایکشن فورم (اے ڈبلیو اے ایف) کی کاوشوں سے 1948ء میں مسلم شرعی خانگی قانون منظور ہوا جس کے تحت عورتوں کو ہر قسم کی املاک کی ملکیت کا حق تفویض کیا گیا۔ 1956ء کے دستور میں خواتین کے حقوق کا باب شامل کیا گیا اور مسلم خانگی قانون کا آرڈیننس 1961ء منظور ہوا۔ ضیاء الحق کی خواتین دشمن قانون سازی اور پالیسیوں نے عام طور پر انسانی حقوق کے تمام کارکنوں جبکہ خاص طور پر خواتین کارکنوں کے لیے چیلنج کی فضا قائم کردی اور انہیں اپنے سلب کئے گئے حقوق کے لئے کٹھن جہدوجہد کرنا پڑی۔ ویمن ایکشن فورم، شرکت گاہ، پاکستان ویمن وکلاء ایسوسی ایشن، تحریک نسواں، پاکستان ویمن ڈیموکریٹک فورم اور عورت فاؤنڈیشن سمیت متعدد خواتین تنظیمیں معرض وجود میں آئیں۔ ان تنظیموں کی تحریک کے نتیجے میں ضیاء کی آمریت کے خاتمے کے بعد خواتین دوست قانون سازی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ 1989ء میں خواتین ڈویژن کو وزارت برائے ترقی نسواں کا درجہ ملنا، فرسٹ ویمن بینک اور ویمن پولیس اسٹیشنز کا قیام، 1994ء میں انکوائری کمیشن برائے خواتین کا قیام، سندھ اور پشاور ہائی کورٹس میں خواتین ججز کی تعیناتی، 1995ء میں قرآن کے ساتھ شادی کو غیر اسلامی قرار دیا جانا، 1996ء میں خواتین کے خلاف تمام اقسام کے امتیازی سلوک کے خاتمے کے، عالمی میثاق کی توثیق، 2000ء میں غیرت کے نام پر قتل کو منصوبہ بند قتل قرار دیا جانا، 2003ء میں عدالتی فیصلے کے ذریعے عورت کو ولی کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے شادی کرنے کا قانونی اختیار ملنا، 2005ء میں غیرت کے نام پر قتل کے لیے سزائے موت یا 25 برس قید کی سزا کا مقرر ہونا، 2006ء میں خواتین تحفظ قانون کی منظوری، 2009ء میں گھریلو تشدد (روک تھام و تحفظ) قانون کی منظوری اور 2011ء میں تیزاب گردی کے جرم کے خاتمے کے لیے قانون سازی سمیت دیگر خواتین دوست پالیسیوں اور قانونی اصلاحات کا نفاذ سول سوسائٹی کی کاوش سے ہی ممکن ہوا ہے۔ سول سوسائٹی نے مقتدر ریاستی اداروں اور ملک کی سیاسی جماعتوں کے خواتین مخالف رویے کو تبدیل کیا اور انہیں عورتوں کے حقوق بارے اقدامات کرنے پر مجبور کیا۔ اپریل 1999ء میں صائمہ عمران نامی لڑکی کو پسند کی شادی کرنے پر لاہور میں اس کے وکیل کے چیمبر میں گولی مار کر قتل کردیا گیا۔ اگست 1999ء میں انسانی حقوق پر یقین رکھنے والے چند سینیٹرز نے مذمتی قرارداد پیش کی۔ چیئرمین سینیٹ نے قرارداد پر بحث تک ہونے کی اجازت دینے سے انکار کردیا۔

انسانی حقوق کے تحفظ میں سول سوسائٹی کے کردار کا یہ سلسلہ تقسیم ہندوستان کے بعد بھی جاری رہا۔ پاکستان میں انسانی حقوق کے تحفظ کے حوالے سے خواتین کارکنوں کی تنظیمیں زیادہ موئثر اور منظم ثابت ہوئی ہیں۔ آل ویمن ایکشن فورم (اے ڈبلیو اے ایف) کی کاوشوں سے **1948**ء میں مسلم شرعی خانگی قانون منظور ہوا جس کے تحت عورتوں کو ہر قسم کی املاک کی ملکیت کا حق تفویض کیا گیا۔ **1956**ء کے دستور میں خواتین کے حقوق کا باب شامل کیا گیا اور مسلم خانگی قانون کا آرڈیننس **1961**ء منظور ہوا۔ ضیاء الحق کی خواتین دشمن قانون سازی اور پالیسیوں نے عام طور پر انسانی حقوق کے تمام کارکنوں جبکہ خاص طور پر خواتین کارکنوں کے لیے چیلنج کی فضا قائم کردی اور انہیں اپنے سلب کئے گئے حقوق کے لئے کٹھن جہدوجہد کرنا پڑی۔

صرف چار کے علاوہ تمام اراکین سینیٹ کی رائے یہ تھی کہ ایک عورت کے قتل کا مسئلہ اتنا اہم نہیں کہ اس پر سینیٹ کا وقت صرف کیا جائے۔ مطلب یہ کہ سیاسی جماعتیں اور ریاستی ادارے عورت کے مسائل کو قومی معاملات کا حصہ بنانے سے انکاری تھے۔ مگر سول سوسائٹی نے ان معاملات پر رائے عامہ کو تبدیل کیا، بین الاقوامی برادری کو پاکستان کی عورتوں کی حالت زار سے آگاہ کیا، میڈیا کی توجہ اس جانب دلوائی اور نتیجتاً ریاست اور سیاسی جماعتوں کو اپنی پالیسیوں میں تبدیلی لانا پڑی۔ پاکستان میں جمہوریت کے استحکام کے حوالے سے 'عدلیہ بحالی تحریک' سب سے اہم مرحلہ تھا جو بنیادی طور پر وکلاء اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کی تحریک تھی۔ مشرف کی آمریت کے خلاف سول سوسائٹی نے مارچ 2007ء میں تحریک شروع اور اس کی کامیابی کے روشن امکانات دیکھتے ہوئے سیاسی جماعتیں بھی اکتوبر 2007ء کے آخر میں اس کا حصہ بن گئیں۔

ملک کے مذہب زدہ سیاسی نظام کے باعث نسبتاً ترقی پسند سیاسی جماعتیں بھی مذہبی اقلیتوں کے حقوق کو اپنے ایجنڈے کا حصہ بنانے سے گریزاں تھیں جبکہ ریاست نے شروع دن سے ہی مذہبی اقلیتوں پر مظالم میں شریک جرم کا کردار ادا کیا ہے۔ انسانی حقوق کے کارکنوں نے اس مسئلے پر آواز بلند کی اور اقلیتوں کے بارے میں امتیازی قوانین سمیت ان تمام اسباب کے خاتمے کا مطالبہ کیا جو اقلیتوں کے حقوق کی خلاف ورزیوں کی بنیادی وجہ ہیں۔ یہ مطالبہ کرنے پر متعدد سول سوسائٹی کارکنوں کو جان کی قربانی بھی دینا پڑی۔ جبری غائب کیے گئے افراد کا معاملہ نام نہاد 'قومی مفاد' کے نام پر دبایا جارہا تھا۔ ہر برس ریاست سے اختلاف رائے رکھنے والے سینکڑوں لوگوں کو جبری غائب کر کے قتل کردیا جاتا ہے۔ تشویشناک امر یہ تھا کہ اس معاملے پر کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ سول سوسائٹی کی جہدوجہد سے اس مسئلے پر خاموشی توڑی گئی اور نتیجتاً میڈیا، عدلیہ، پارلیمنٹ اور انتظامیہ کے حلقوں میں اس کا نوٹس لیا گیا اور کم از کم اس معاملے پر بحث وتمحیص کی فضا قائم ہوئی ہے جو مسئلے کے حل کی طرف پہلا قدم ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ سول سوسائٹی کی کاوشوں سے ریاست نے یکے بعد دیگرے انسانی حقوق سے متعلقہ بیشتر عالمی معاہدات کو تسلیم کرلیا ہے جس کے باعث ریاستی قوانین اور پالیسیوں کو انسانی حقوق کے حوالے سے عالمی معیار کے مطابق لانے کے امکانات میں اضافہ ہوا ہے۔ مگر ان تمام کامیابیوں کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال دن بدن بگڑتی جارہی ہے۔ 2013ء میں 14000 سے زائد افراد کے قتل کی رپورٹ پولیس کو درج کروائی گئی تھی اور جو رپورٹ نہیں ہوئے تھے ان کی تعداد علیحدہ ہے۔ 3218 افراد صرف کراچی میں تشدد کے باعث مارے گئے ہیں۔ 869 عورتیں غیرت کے نام پر قتل ہوئیں۔ کم از کم 56 خواتین کو محض اس لیے قتل کردیا گیا کہ انہوں نے بیٹی کو جنم دیا تھا۔ صرف پنجاب سے جنسی تشدد کے 2576 واقعات منظر عام پر آئے ہیں۔ 12 ملین بچے مشقت کا شکار ہیں جن میں سے نصف کی عمر 10 برس سے کم ہے۔ 2013ء کے پہلے چھ ماہ کے دوران 1204 بچوں کو جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا جن میں 68 فیصد لڑکیاں تھیں۔ تقریباً دو ملین افراد غلامی کی جدید اشکال کا شکار ہیں۔

200 سے زائد فرقہ وارانہ حملوں میں 687 افراد مارے گئے۔ پشاور گرجا گھر پر خودکش حملے میں 100 سے زائد مسیحی ہلاک ہوئے اور لاہور میں مسیحی آبادی پر حملہ کر کے 100 سے زیادہ گھر جلا دیے گئے۔ سات احمدی ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنے۔ تضحیک مذہب سے متعلق قانون کے خلاف مہم چلانے کی ضرورت ہے۔ 1927ء سے 1985ء تک تضحیک مذہب کے 10 واقعات رپورٹ ہوئے تھے جبکہ 1985ء میں اقلیت دشمن قانون سازی کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1985ء سے اب تک تضحیک مذہب کے 40000 واقعات رپورٹ ہوئے ہیں۔ اقلیتی عورتوں کی جبری شادی وتبدیلی مذہب پر قانون سازی نہیں ہوئی۔ اس کے لیے رائے عامہ ہموار کرنے اور لابی کرنے کی ضرورت ہے۔ 91 امدادی کارکنوں کو نشانہ بنا کر مارا گیا۔ 27 فروری 2014ء کو جبری غائب کئے گئے بلوچوں کی آواز کے قائد ماما قدیر نے لاہور میں میڈیا کو بتایا کہ اب تک تقریباً 1500 بلوچوں کی مسخ شدہ لاشیں بازیاب ہو چکی ہیں اور 18000 سے زائد افراد غائب ہیں جن میں 170 خواتین اور 169 بچے بھی شامل ہیں۔ اب تو سندھ میں بھی لوگوں کو جبری غائب کرنے اور ان کی مسخ شدہ لاشوں کی برآمدگی کے واقعات تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ بلوچستان کی محترمہ کریمہ بلوچ کو تین برس قید اور ڈیڑھ لاکھ روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔ اس کا قصور یہ تھا کہ اس نے 2006ء میں دیگر خواتین کے ساتھ مل کر جبری غائب شدہ افراد کی رہائی کے لیے احتجاجی مظاہرہ کیا تھا۔ دوسری طرف ان گمشدگیوں میں ملوث کسی بھی ملزم کو سزا نہیں ہوسکی۔ انسانی حقوق کے کارکنوں کا فرض ہے کہ انصاف فراہم کرنے میں ناکام اپنے عدالتی نظام کے نقائص کو اُجاگر کریں۔ یہ صورتحال انتہائی تشویشناک اور توجہ طلب ہے۔

دیگر وجوہات کے علاوہ انسانی حقوق کی پامالیوں میں اضافہ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پامالی کرنے والے انسانی حقوق کے محافظین سے زیادہ منظّم ہیں اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔ سول سوسائٹی کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں عوام کو اپنے ساتھ ملائیں اور زیادہ منظّم انداز میں تگ و دو کریں۔ عوام کی شرکت کے بغیر اس تحریک کو کامیاب نہیں بنایا جاسکتا۔ عوام کو فروعی معاملات کی بجائے اپنے حقیقی مسائل پر سوچ بچار کرنے پر قائل کرنا چاہئے۔ انہیں حقوق کے متعلق حساس بنانے کی ضرورت ہے۔ لوگوں کو بتایا جائے کہ ان کے وسائل کہاں خرچ کئے جا رہے ہیں اور یہ کہ وہ صرف ان کی فلاح و بہبود پر ہی صرف ہونے چاہئیں۔ ریاست کے ساتھ کشیدگی کی فضا قائم کئے بغیر قانون کے اندر رہتے ہوئے اس پر حقوق کے تحفظ کے لیے دباؤ ڈالا جائے اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر ہم خیال لوگوں کے ساتھ نیٹ ورکنگ کی جائے۔ ایک بڑا مسئلہ انسانی حقوق کے عالمی معاہدات کی مطابقت میں ملکی قانون سازی کا ہے۔ ان معاہدات کے پروٹوکولز کی توثیق کے لیے حکومت پر دباؤ بڑھانا چاہیے۔ سول سوسائٹی کو چاہیے کہ وہ پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال میں اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کے دیگر بین الاقوامی اداروں کی مداخلت بڑھانے کی کوشش کرے تاکہ ریاست کو حقوق کے تحفظ کے لیے حقیقی معنوں میں بین الاقوامی دباؤ کا سامنا کرنا پڑے۔

دستاویزی فلم: شرکاء کو ایک دستاویزی فلم دکھائی گئی جس کا عنوان تھا ''ہم آواز اٹھاتے رہیں گے'' اس دستاویزی فلم میں دکھایا گیا ہے کہ انسانی حقوق کی تحریک کا آغاز کب سے اور کسطرح ہوا۔ اور اس کاوش میں ایچ آر سی پی نے پاکستان میں کب سے اور کسطرح اپنا حصہ ڈالا۔ شرکاء نے ہماری اس کاوش کو بہت سراہا۔

مذہبی ہم آہنگی اور رواداری وقت کی اہم ضرورت ہے

عمیر رانا

11 اگست 1947ء کو اپنے اوّلین خطاب میں قائداعظم نے پاکستان کی پوری آئیڈیالوجی کو سامنے رکھ دیا اور پاکستان کے لئے رہنما اصول متعین کر دیا تھا۔ لیکن اس تقریر کو قوم سے چھپایا گیا اور نصاب سے نکال دیا گیا کیونکہ بعض لوگ قائد کا پاکستان نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ پاکستان کی پہلی قانون ساز اسمبلی کے سپیکر جوگندر ناتھ منڈل تھے اور 12 سے زائد ہندو اس اسمبلی میں پاکستان کی حمایت میں پورے جوش وجذبے سے موجود تھے اور 1949ء تک متحرک رہے جب تک قرار داد مقاصد منظور نہیں ہوئی۔ قرار داد مقاصد کے ذریعے کچھ ایسی چیزیں پاکستان کی نظریاتی ساخت میں شامل کر دی گئیں جو قائد کی 11 اگست والی تقریر کے خلاف تھیں۔ اس کے بعد وہ لوگ پاکستان سے مایوس ہو گئے اور مذہبی رواداری ختم ہوگئی۔ پاکستان کے قیام کے وقت ملک میں 25% اقلیتیں موجود تھیں جن میں تقریباً 25000 ہزار یہودی بھی تھے مگر اب کوئی بھی یہودی موجود نہیں ہے۔ پاکستان بنانے میں شریک اقلیتیں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگیں جبکہ ایس پی سنگا سپیکر پنجاب اسمبلی نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ 88-1977ء کے مارشل لاء دور میں بہت سے مذہبی اور نسلی اور علاقائی مسائل نے جنم لیا۔ 971ء میں گورنمنٹ نے تمام پرائیویٹ اداروں کو قومی تحویل میں لے لیا جس سے ملک میں موجود اقلیتوں کے تمام ادارے میں گورنمنٹ کنٹرول میں چلے گئے جس سے ان میں اپنے اثاثہ جات کے غیر محفوظ ہونے کا احساس بھی ابھر کر سامنے آیا اور ان میں بعض ادارے واپس ملے تو ان کی حالت قابل رحم تھی۔ 1985ء میں اسرائیل میں چند گروپوں کے مسجد اقصیٰ پر قبضہ کرنے کے ردعمل میں پاکستان میں چرچ پر حملہ ہوا۔ اسی طرح بے بنیاد الزامات لگا کر شانتی نگر میں مسیحوں کی بستی پر حملہ کر دیا اور اسے صفحہ ہستی سے ہی مٹا دیا۔ پرامن معاشرے کے قیام کے لئے انصاف کے تین اہم جزو ہیں بنیادی حقوق، سچائی اور معقولیت۔

چونکہ ہر شخص کیلئے بنیادی حقوق کی پاسداری اور تحفظ ضروری ہے اور امن کی پامالی دراصل نا انصافی ہے اس لئے انصاف کے حصول کے لئے سچائی اور معقولیت کا استعمال نہایت ضروری ہے اور انصاف پر مبنی انسانی اور خوشحال معاشرہ کے لئے ایسے حالات کو پیدا اور برقرار رکھنا ضروری ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں دنیا گلوبل ویلج بن چکا ہے تو اس کا اثر ہم سب پڑ رہا ہے۔ ہمیں سوچنا ہوگا کہ دنیا کے دیگر ممالک میں جو شہری سہولیات ہیں ان کے مطابق اگر ہمارے بھی حقوق ان جیسے ہیں تو ہم بھی امن میں ہیں۔ جب کوئی پیدا ہوتا ہے تو وہ انسان ہوتا اور مذہب کے لبادے بعد میں پہنتا ہے۔ ہمارا معاشرہ اس وقت کافر ہونے کے فتوے تو لگاتا ہے لیکن انسان ہونے کی توقیر کا خیال نہیں کر رہا۔ امن کی فضا میں آپ دیگر لوگوں سے مکالمہ کریں گے تو آپ کو ان کی خوبیوں کا اندازا ہوگا مگر جنگ کی حالت میں ایسا نہیں ہوسکتا۔ لوگ اللہ کے لئے لڑنے کو تیار ہیں لیکن اللہ کو جاننے کو تیار نہیں۔ لوگوں کے اندر محبت، عقل اور دانش کا اس وقت پتا چل سکتا ہے جب امن ہو۔ امن دل سے محسوس کی جانے والی چیز ہے۔ اگر دل امن کا احساس دے تو سمجھو امن ہے ورنہ نہیں۔ تمام مذاہب نے امن کی تعلیم دی ہے لہذا انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والوں کے کندھوں پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انتہا پسندی کے خاتمہ اور مذہبی، مسلکی تعصّبات کے خاتمہ میں اپنا کردار ادا کریں۔ ہم سب کو ریاست پر زور دینا ہوگا کہ وہ متنازع قوانین پر نظر ثانی کرے متنازع مواد کو شائع ہونے سے روکے اور دوسرے مذاہب کو پڑھنے کی اجازت دی جائے۔

شرکاء میں سے ایک شریک کار مجید نے کہا کہ ایک مسیحی شہید کیسے ہوسکتا ہے تو ایک دوسرے شریک کار نے بتایا کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق شہید ہے کیونکہ اس نے ملک قوم کی

خاطر اپنی جان قربان کی ہے۔

انتہا پسندی کیا ہے، اسکی مختلف اقسام، ہمارے زندگی پر اثرات اوران کی روک تھام کے لیے لائحہ عمل

محمد صدیق

انتہا پسندی یہ ہے کہ جو میں کہتا ہوں صرف وہی درست ہے اور باقی سب غلط ہے۔ انتہا پسندی ختم کرنے سے امن ہوگا کیونکہ انتہا پسندی معاشرے میں صرف انتشار پھیلاتی ہے۔ انتہا پسندی کی کئی اقسام ہیں جن میں معاشی انتہا پسندی، سماجی انتہا پسندی، سیاسی انتہا پسندی، اور مذہبی انتہا پسندی شامل ہیں۔

معاشی انتہا پسندی: میں ایک گروہ، طبقہ، قوم یا قبیلہ مارکیٹ یا کسی مخصوص علاقے میں جاری معاشی سرگرمیوں میں دیگر اقوام، قبائل یا طبقوں کی شراکت کو پسند نہیں کرتے تشدد اور دیگر ذرائع سے ان اقوام یا گروہ یا قبائل کو معاشی سرگرمیوں سے بے دخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سماجی انتہا پسندی میں ماں بچے، بچیوں کی شادی اور تعلیم کے فیصلے انکی مرضی اور خواہشات کے خلاف کرتے ہیں اور سماج میں کم آمدنی والے لوگوں کو کم تر سمجھنے والے سماجی انتہا پسندی کا شکار ہیں۔

سیاسی انتہا پسندی میں بعض سیاسی مفادات اور فکرو نظریات کے دوسرا نظریہ رکھنے والوں سے برتر سمجھا جاتا ہے۔

مذہبی انتہا پسندی: میں ایک عقیدے سے تعلق رکھنے والے لوگ یا گروہ اپنے مذہبی عقیدے کو دوسروں سے اعلیٰ اور معتبر سمجھتے ہیں۔ چارلس ایس لیبن نے اپنی کتاب میں مذہبی انتہا پسندی کو دو درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم مذہبی قانون یا شریعت کا پھیلاؤ جس میں ایک مسلک یا عقیدے پر ایمان رکھنے والے دیگر لوگوں کی فلاح اور آخرت کی بہتر زندگی کے نام پر اپنے عقائد، خیالات اور نظریات دوسرے لوگوں تک پھیلانا چاہتے ہیں۔ دوسری قسم سماجی علیحدگی ہے جسمیں ایک مذہب، مسلک یا فرقہ کے ماننے والے خود کو سماج کی دیگر اقوام، افراد یا گروہوں سے برتر سمجھ کر علیحدہ رہتے ہیں۔ اس انتہا پسندی نے ہمارے ملک کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ہمارے آئین میں تمام اقلیتوں کو برابر کے حقوق حاصل ہیں جبکہ دوسری طرف وہی آئین کہتا ہے کہ کوئی غیر مسلم صدر پاکستان نہیں بن سکتا جو کہ ایک بڑا تضاد ہے۔ اپنے شہروں میں میزائیل کے ماڈل لگا کر ہم نے کیا پیغام دیا ہے کہ ہم لڑنے کو پسند کرتے ہیں۔

ایک شریک کار آصف نے سوال کیا کہ بلوچستان میں کیا ہے تو سہولت کار نے کہا کہ جہاں تو ریاست کا جبر کاری ایکشن ہے وہاں ریاست شدت پسندی کی ذمہ دار ہے۔ کچھ عناصر لسانیت کی بنیاد پر شدت پسندی کو ہوا دے رہے۔ ہم اسی کی مذمت کرتے ہیں۔ انسانی حقوق کے کارکن کی حیثیت سے ہمیں پاکستان کو خوشحال بنانے کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی جس پر تمام شرکاء نے متفقہ طور پر اپنے عزم کا اظہار کیا۔

انتہا پسندی کے انسداد/فروغ میں میڈیا کا کردار اور ذرائع ابلاغ سے منسلک افراد کی تربیت کی اہمیت

عون محمد

انتہا پسندی ان بنیادی مسائل میں سے ایک ہے جو پاکستانی ریاست اور معاشرے کو درپیش ہیں۔ اسکی جڑیں شاید پاکستان کے قیام سے بھی پہلے جا نکلتی ہیں۔ پاکستان کی پوری تاریخ میں یہ مسئلہ چار سُو پھیلتا رہا ہے۔ ایک طرف بہت سے عوامل اسمیں اپنا اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں تو دوسری طرف بہت سے بے گناہ افراد اور گروہ بھی اسکا نشانہ بھی بنتے رہے ہیں۔ پاکستانی میڈیا جس نے ایک نئی طاقت اور اہمیت حاصل کی ہے وہ بھی ابتدائی ایام سے لے کر آج تک اس سارے عمل میں ایک عامل کے طور پر موجود رہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ شدت پسند گروہوں کا نشانہ بھی بنتا رہا ہے۔

ذرائع ابلاغ شروع سے ہی شدت پسندی کے مظہر کو بڑھاوا دینے میں اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ 1950ء میں حکومت پنجاب نے شدت پسندانہ خیالات کی اشاعت اور فروغ کے لئے ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا۔ اس وقت کی حکومت کے ڈائریکٹریٹ آف انفارمیشن نے ان اخبارات کو رقوم ادا کیں جو احمدیوں کے خلاف شدت پسندانہ خیالات کی تشہیر کرتے تھے۔ ہر اخبار کی اپنی ایک پالیسی ہوتی ہے مثلاً ایک انگریزی اخبار کی پالیسی شدت پسندی کے خلاف ہے جبکہ بعض اخبارات کی پالیسی شدت پسندی کے حق میں ہے۔ ایک اخبار کا ایک پورا صفحہ طالبان کے لیے وقف ہے اور یہ طالبان اور دہشت گردوں کو عسکریت پسند کہتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کو باقی معاشرے سے الگ تھلگ نہیں کیا جا سکتا۔ معاشرتی عوامل اس پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

> ذرائع ابلاغ شروع سے ہی شدت پسندی کے مظہر کو بڑھاوا دینے میں اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ 1950ء میں حکومت پنجاب نے شدت پسندانہ خیالات کی اشاعت اور فروغ کے لئے ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا۔ اس وقت کی حکومت کے ڈائریکٹریٹ آف انفارمیشن نے ان اخبارات کو رقوم ادا کیں جو احمدیوں کے خلاف شدت پسندانہ خیالات کی تشہیر کرتے تھے۔

ضیاء الحق کے دور حکومت میں ذرائع ابلاغ پر اثر انداز ہونے کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی۔ ایک سیاسی مذہبی جماعت چونکہ جنرل ضیاء الحق کے بہت قریب تھی اور ضیاء نے اُس جماعت کو افغان جنگ میں بھی استعمال کیا تھا۔ اس جماعت کے بہت سے لوگ ذرائع ابلاغ میں شامل ہو گئے۔ جنہوں نے پنجاب یونین آف جرنلسٹس کی بنیاد رکھی وہ تمام لوگ اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ عسکریت پسند تھے اور اپنے اپنے نظریات کی بنیاد پر لوگوں کی جانیں لے رہے تھے۔ اس گروپ کے لوگوں نے میڈیا میں اپنے لوگ شامل کئے، انہوں نے بہت سے ذرائع ابلاغ کے لوگوں کو خریدا اور اپنے اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا۔ اس قسم کے لوگ اگرچہ اخبارات کی پالیسی کو براہ راست متاثر نہیں کرتے تاہم اگر ایک شخص نیوز روم میں یا رپورٹنگ میں ایک خاص سوچ لیکر بیٹھا ہوا ہے تو اسکے پاس موقع ہوتا ہے وہ کسی بھی خبر کو بڑھا چڑھا کر پیش کرے یا کوئی خبر اس طرح دے کہ اسکی اہمیت کم ہو جائے۔

پاکستانی ذرائع ابلاغ بالواسطہ طور پر اور دبے لفظوں میں شدت پسندوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر لال مسجد کے مسئلہ پر میڈیا نے یکطرفہ کردار ادا کیا۔ اسی طرح جن تنظیموں پر پابندی ہے انکی خبریں بھی مسلسل چھپ رہی ہیں صرف انکے نام کے ساتھ سابقہ کا لفظ لگ جاتا ہے۔ شدت پسندی سے جڑے ہوئے واقعات کو جس قدر تشہیر ملنی چاہیے ہمارا میڈیا بریکنگ نیوز کے چکر میں ان واقعات کو زیادہ تشہیر دے جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ اگر کہیں پٹاخہ بھی چھوٹتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ دھماکے کی آواز سنی گئی ہے پولیس جگہ کا تعین کر رہی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ شدت پسندوں کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں۔ طالبان کے ترجمان کو بہت زیادہ کوریج ملتی ہے۔ بعض گروہ ایسے بھی ہیں جو اس قسم کی کاروائیوں میں ملوث نہیں ہیں لیکن وہ کسی جگہ بیٹھ کر ذمہ داری قبول کر لیتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ ام احسان جو لال مسجد کے خطیب عبدالعزیز کی اہلیہ ہیں کا ایک کارٹون ایک اخبار میں چھپا تو اس اخبار کو کھلے عام دھمکی

دی گئی کہ وہ اسکے نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہے۔نماز جمعہ کے بعد لال مسجد میں اس اخبار کے خلاف نعرے لگائے گئے۔انہوں نے اخبار کے خلاف الزام عائد کیا کہ اسکی پالیسی جہاد کے خلاف ہے اوراسے سبق سکھایا جائے۔اگر شدت پسندوں کے خلاف کوئی خبر شائع ہوتی ہے تو ذرائع ابلاغ پر الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ خلاف اسلام باتیں چھاپ رہا ہے۔اسی طرح 1981 میں ایک روزنامہ نے ایک مذہبی جماعت کی ذیلی طلبہ تنظیم کے خلاف ایک خبر چھاپی۔طلبہ دوبسوں میں سوار ہوکر آئے اوراس اخبار کے دفتر کو آگ لگادی۔

ہمارے ہاں ذرائع ابلاغ میں گیٹ کیپر کی روایت معدوم ہوتی جارہی ہے۔جو شخص میڈیا سے منسلک ہے اسے ایک گیٹ کیپر کے طور پر کام کرنا چاہیے۔نیوز رپورٹر یا ایڈیٹر کو خبر کی اشاعت کے حوالے سے فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔اسے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اگر کوئی خبر فائدے کی نسبت زیادہ نقصان کرے گی تو وہ اسے روک لے۔ ہمارا الیکٹرانک میڈیا حال ہی میں سامنے آیا ہے اورلوگ اسکے لئے مناسب طور پر تربیت یافتہ نہیں ہیں۔پرنٹ میڈیا میں جب کوئی چیز تحریر ہوتی ہے تو تحریر کرنے والے کے پاس کچھ وقت ہوتا ہے کہ وہ اسکو دوبارہ دیکھ سکے اور پھر وہ تحریر مدیر کی نظر سے بھی گزرتی ہے۔لیکن الیکٹرانک میڈیا میں ایسا نہیں ہوتا۔الیکٹرانک میڈیا کے رپورٹروں کے پاس ضرورت سے زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔یہ ان عوامل میں سے ایک ہے جنکی وجہ سے ہمارے ٹی وی چینل شدت پسندی سے متعلق واقعات کو اکثر غیر موزوں طریقے سے پیش کرتے ہیں۔مزید براں پاکستان میں پرنٹ میڈیا کے پاس کوئی ڈیڑھ سو سال کا تجربہ ہے جبکہ الیکٹرانک میڈیا مقابلتاً نوخیز ہے۔

میڈیا دراصل آجکل مارکیٹ فورسز کے تحت چل رہا ہے۔پہلے جب میڈیا حکومت کی تحویل میں تھا تو مارکیٹ کے اثر سے آزاد تھا۔جو معاشرے کا عمومی طرز عمل ہے،میڈیا بھی اسی رنگ میں رنگا جاتا ہے۔اگر معاشرہ انتہا پسند نظریات سے لیس ہے،یعنی اگر ریاست کی عمل داری کم ہوچکی ہے اورانتہا پسند حلقوں کا رسوخ معاشرے پر زیادہ ہے تو میڈیا میں بھی وہی چیز آپکو نظر آئے گی۔

میڈیا عدم استحکام میں اضافے کا باعث بن رہا ہے، شائد اسلئے کہ اسے جو آزادی ملی ہے وہ ابھی نئی نئی ہے خاص طور پر الیکٹرانک میڈیا کے حوالے سے تو یہی لگتا ہے کہ اسے تجربہ نہیں ہے اور رہنمائی بھی نہیں ہے۔میڈیا اس امر کو مسلسل نظرانداز کررہا ہے کہ ایسا کرنے سے مستقبل میں اظہار رائے کی آزادی برقرار رکھنا مشکل ہوجائے گا۔

دستاویزی فلم: کھانے کے وقفے کے بعد شرکا کو دستاویزی فلم "ضمیر کی عینک" دکھائی گئی،جسکا مقصد پاکستانی معاشرے میں دوہرے معیار کی تصویر کشی تھی۔اسمیں یہ دکھایا گیا کہ ہم پاکستانی عوام بہت آسانی کے ساتھ اپنے کیے کا جرم غیر ملکی لوگوں یا ایجنڈوں کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ایچ آر سی پی کی اس کاوش کو شرکا نے خوب سراہا۔

ایک اور دوسری دستاویزی فلم "ہم انسان" شرکاء دکھائی گئی۔جسکا مقصد انسانیت پر یقین رکھنا اور تمام مذاہب میں انسانیت کی سربلندی دکھانا تھا۔اسکو شرکا کی طرف سے بہت زیادہ پزیرائی ملی۔اسطرح دوروزہ تربیتی ورکشاپ کا اختتام ہوا۔اختتام پر شرکاء کا ایک بار پھر استعدادی جائزہ لیا گیا اور فالواپ میکنزم عون محمد نے سمجھایا، بعد ازاں تقسیم اسناد کی تقریب منعقد ہوئی اور شرکاء نے ایک دوسرے کو اسناد دیں۔اِس کے علاوہ شرکاء کی جانب سے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا شکریہ ادا کیا اور مزید ورکشاپ کے اہتمام کی اپیل کی گئی۔

میڈیا عدم استحکام میں اضافے کا باعث بن رہا ہے، شائد اسلئے کہ اسے جو آزادی ملی ہے وہ ابھی نئی نئی ہے خاص طور پر الیکٹرانک میڈیا کے حوالے سے تو یہی لگتا ہے کہ اسے تجربہ نہیں ہے اور رہنمائی بھی نہیں ہے۔میڈیا اس امر کو مسلسل نظرانداز کررہا ہے کہ ایسا کرنے سے مستقبل میں اظہار رائے کی آزادی برقرار رکھنا مشکل ہوجائے گا۔

سکھر 18,17 نومبر 2015

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی جانب سے ''انتہا پسندی کے خاتمے اور انسانیت دوست اقدار'' کے فروغ کے عنوان سے 17-18 نومبر 2015 کو ضلع سکھر میں دوروزہ تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا جس میں مختلف موضوعات پر تربیت کاروں نے لیکچر دیئے جن میں جمہوریت اور انسانی،انسانی حقوق اور معاشی ترقی کے مابین تعلق،انتہا پسندی کیا ہے اس کی مختلف اقسام ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کے لیے لائحہ عمل،حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار،طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت،میڈیا کیا ہے،اس کی مختلف اقسام،بدلتے ہوئے رجحانات اور انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار شامل تھے۔سہولت کاروں میں جمیلہ منگی،ندیم عباس ،محمد حنیف،یاور آغا ،بشیر وسیم اور صائمہ شامل تھے۔تربیتی ورکشاپ میں شریک ہونے والے چھ خواتین سمیت 34 شرکاء میں سکھر کے مختلف علاقوں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں مرد اور خواتیں نے شرکت کی۔تربیتی ورکشاپ کے دوران شرکاء کو ایچ آر سی پی کی تیار کردہ وڈیو ڈاکومنٹریز جن میں ہم انسان اور لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر دکھائی گئیں جنہیں شرکاء نے بے حد پسند کیا۔تربیتی ورکشاپ کے دوران گروپ ورک کے ذریعے سکھر میں انسانی حقوق کی صورتحال کا ایک جائزہ بھی لیا گیا جس میں شرکاء نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

ورکشاپ کے اغراض ومقاصد

جمیلہ منگی ریجنل کوآرڈینیٹر (ایچ آر سی پی)

اس ورکشاپ میں شرکت کرنے پر ایچ آر سی پی آپ سب کا شکر گزار ہے۔اس ورکشاپ کا مقصد پاکستان کو درپیش مسائل کا تجزیہ کرنا ہے تاکہ ان مسائل کا ممکنہ حل تلاش کیا جاسکے۔اس وقت پاکستان کو درپیش سب سے سنگین مسئلہ انتہا پسندی ہے جو دیمک کی طرح ہمارے ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کررہی ہے۔ایچ آر سی پی نے پاکستان کے مختلف اضلاع میں ورکشاپ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ تیزی سے بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کے اثرات سے بچا جا سکے جو ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے مہلک ہے۔ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی نے انسانی حقوق کی پامالی اور مذہبی اختلافات میں اضافہ کردیا ہے۔ہمیں اس وقت رواداری اور برداشت جیسے تصورات کو فروغ دینا چاہیے اور روشن خیال لوگ پیدا کرنے چاہئیں۔

ضلع سکھر میں انسانی حقوق کی صورتحال اور علاقے کے بنیادی مسائل:

ضلع سکھر میں انسانی حقوق کی صورتحال باقی شہروں کی طرح ہی ہے۔یہاں کاروکاری،جاگیردارانہ نظام اور بدامنی عام ہے۔

جمہوریت اور انسانی،انسانی حقوق اور معاشی ترقی کے مابین تعلق

جمیلہ منگی

جمہوریت ایک ایسا نظام ہے ،جس میں ہر فرد کو اظہار رائے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ایک آزادانہ ووٹ کے ذریعے آزادانہ مقابلہ جمہوریت کی پہلی سیڑھی۔

بالغ رائے دہی کا حق اور اراکین اسمبلی کا شفاف و آزادانہ انتخاب ضروری ہیں۔ایک اچھی اور عمدہ جمہوریت کے تین بنیادی ستون ہوتے ہیں جن پر وہ استوار ہوئی ہے جن میں انتظامیہ، مقنّنہ اور عدلیہ شامل ہیں۔ان ستونوں میں عدلیہ باقی دو اداروں پر نظر رکھتی ہے اور ان کا احتساب کرنے کی پابند ہوتی ہیں۔جن ممالک میں عدلیہ اور ذرائع ابلاغ پر کوئی دباؤ ڈالا جائے یا ان کے کام میں مقتدر حکمرانوں کی طرف سے روڑے اٹکائے جائیں تو وہاں پر بدعنوانی اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے اور ایک ایک کر کے ملک کے باقی تمام ادارے بھی ڈھیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔اگر تین اہم ستون مستعدی، ایمانداری اور غیر جانبداری سے اپنا کام جاری رکھیں تو جمہویت میں بدعنوانی کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے۔جبکہ اس کے برعکس ان تین اداروں کی کمزوری براہ راست جمہوری طرزِ حکومت کو بری طرح متاثر کرتی ہے۔اگر کسی معاشرے میں زیادہ تر تعداد پڑھے لکھے افراد اور ترقی پسند لوگوں کی ہے تو یہ سول سوسائٹی اپنا کام اس ضمن میں بہت بہتر طریقے سے سرانجام دے سکتی ہے۔سیاسی پارٹیوں کا منشور کچھ ہو اور عمل کچھ ہو، جہاں ووٹ یا تو خریدے جاتے ہوں یا زور زبردستی سے حاصل کئے جاتے ہوں اور معاشی پسماندگی لوگوں کا دین ایمان اور ضمیر مردہ کردے تو جمہوری اقدار پنپنے کی بجائے دم توڑ دیتی ہیں۔ضرورت اس مر کی ہے کہ جمہوریت کی اصل روح کو سمجھ کر ادارے مضبوط اور شفاف بنا کر ملک وقوم کی سلامتی کو سامنے رکھ کر جمہویت ہی کو ملک کی زمین میں بو یا جائے۔

حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

ندیم عباس

انسانی حقوق کی تحریک کا باقاعدہ آغاز اقوام متحدہ کے قیام کے بعد ہوا جس کا انسانی حقوق کا منشور 10 دسمبر 1948ء کو منظور ہوا تھا جس پر 193 ممالک نے دستخط کئے۔ اس وقت سے تقریباً سارے ممالک میں انسانی حقوق پر کام ہو رہا ہے۔انسانی حقوق سے مراد ہے بنیادی ضروریات، کھانے کا حق، جینے کا حق، نقل وحرکت کی آزادی اور عقیدے کی آزادی ہمارے بنیادی حقوق ہیں اور یہ انسان کی بقا کے لئے ضروری ہیں۔انسانی حقوق تو پہلے سے ہی تھے لیکن ان کو نافذ کرنے کے لیے بہت سے اسکالرز اور دانشوروں کی محنت کام آئی۔ہر مذہب میں عبادت کا طریقہ کار الگ ہے لیکن انسانی حقوق کی بات ہر مذہب میں کی گئی ہے۔برطانیہ میں 1215ء میں انسانی حقوق کی تحریک چلی جس میں برطانیہ کی حکومت نے کہا کہ ہم اِن حقوق کا تحفظ کریں گے۔میگنا کارٹا سے انسانی حقوق کے حصول کی ابتدا ہوئی۔ اس سے پہلے برطانیہ میں بادشاہت تھی اور ہر چیز کو اپنے کنٹرول میں رکھتی تھی۔نہ کسی کو اپنی جائیداد رکھنے کا حق تھا نہ کسی کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق تھا۔اس کے بعد عوام کے لئے قانون وضع کئے گئے کہ بغیر کسی جرم ثابت ہونے کے سزا نہ دی جائے، جائیداد رکھنے کا حق دیا جائے اور

> انسانی حقوق سے مراد ہے بنیادی ضروریات، غذا کا حق، جینے کا حق، نقل وحرکت کی آزادی اور عقیدے کی آزادی ہمارے بنیادی حقوق ہیں اور یہ انسان کی بقا کے لئے ضروری ہیں۔انسانی حقوق تو پہلے سے ہی تھے لیکن ان کو نافذ کرنے کے لیے بہت سے اسکالرز اور دانشوروں کی محنت کام آئی۔ہر

جس کا جتنا جرم ہو اس کو سزا بھی اتنی دی جائے۔میگنا کارٹا میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عورتوں کے حقوق کی بھی بات کی جائے۔ پہلے یہ ہوتا تھا عورت یا تو باپ، بھائی یا شادی کے بعد شوہر کے ساتھ رہے اور اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو پھر اس سے جائیداد بھی لے لی جاتی تھی اور کسی اور کے ساتھ شادی کروائی جاتی تھی۔میگنا کارٹا میں عورت کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گذار سکے اور جائیداد کی فروخت یا تجارت کر سکے۔وہاں کے لوگ وقت بہ وقت میگنا کارٹا پر سائن کرواتے رہتے تھے۔دوسری عالمی جنگ کے بعد اقوام متحدہ نے جنگوں سے چھٹکارے اور ان کے دوران جانیں ضائع ہونے سے بچانے کے لئے انسانی حقوق کی تحریک چلائی جس میں تقریر کا حق، اظہارے رائے کا حق، مذہب کی آزادی دی غربت سے آزادی خوف سے آزادی دی گئی جو انسانی حقوق کے عالمی منشور UDHR میں بھی شامل ہیں۔

میڈیا کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، بدلتے ہوئے رجحانات اور انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار

آغا یاور

صحافت کا مطلب باہمی رابطہ ہے۔دوسروں کے مسائل کو جاننا اور ان کو اخبار، میگزین، ریڈیو اور ٹی وی پر نشر کرنا صحافت ہے۔اس کام کے ذریعے معاشرتی کرداروں کو سمجھنا اور اس میں ہونے والی بے ضابطگیوں اور بے قاعدگیوں کو ان ذرائع سے نشر کرنا بھی شامل ہے۔اس کے علاوہ معاشرے کے غلط رُجحانات پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ بعض خوشگوار تبدیلیوں کو اُجاگر کرنا بھی صحافتی ذمہ داریوں میں شامل ہوتا ہے۔

میڈیا سے مراد ٹی وی کے ذریعے دیکھی جانیوالی ٹرانسمیشن الیکٹرانک ہے جس میں معلومات کو باہمی طور پر رابطے کے لئے استعمال کیا جائے۔اب اس میں تیزی سے جدت ہو رہی ہے جس میں فیس بک، ٹوئیٹر، میڈیا ویب سائٹس کے ذریعے زمانہ آگے بڑھ رہا ہے۔

زمانہ جدید میں 1500ء سے 1800ء تک پورے یورپ میں اخبارات کی اشاعت کا کام شروع ہو گیا اور اس کی اہمیت کو بھی سمجھا جانے لگا۔اسی وجہ سے پرنٹنگ کا کام بھی شروع ہوا اور ترقی کرتا چلا گیا۔برصغیر میں پہلے اخبار کا آغاز ایسٹ انڈیا کمپنی نے 17ویں صدی میں کیا۔اور یہ 18ویں صدی تھی جس میں اخبار کے ساتھ میگزین کی شروعات ہوئی۔جبکہ یہ 20ویں صدی تھی جس میں ریڈیو اور ٹی وی بھی آ گئے۔21ویں صدی کا دور انٹرنیٹ کا دور کہلاتا ہے۔

میڈیا کا اصل کام شہریوں کو حالات سے باخبر رکھنا، مظالم کے خلاف وکالت کرنا یا حمایت کرنا، تفریح فراہم کرنا، متنازع معاملات کی چھان پھٹک کرنا اور حقائق سے آگاہ کرنا ہے۔

شرکاء کی جانب سے سوالات کے دورانیے میں کئے گئے ایک سوال کہ میڈیا کسی حادثے کی جگہ پر بروقت کیوں نہیں پہنچتا؟ کے جواب میں سہولت کار نے کہا کہ رپورٹر حضرات سپر مین نہیں ہوتے جو جائے وقوعہ پر فوری طور پر پہنچ سکیں لیکن اس کے باوجود ان کے کام کا تقاضہ ہے کہ یہ لوگ جلد سے جلد جائے وقوعہ پر پہنچیں اور حالات میں فوری اپنا کام شروع کریں۔البتہ جب جائے وقوعہ پر ایک رپورٹر پہنچ جاتا ہے تو اس کا اپنی رپورٹنگ کے پیچھے درست حقائق کو رپورٹ کرنا اور اس کا تجزیہ کافی معنی رکھتا ہے۔اس کو کبھی خود اپنی خبر میں خود کو شامل کرنا یا اپنی خواہش کے مطابق خبر نہیں بنانی چاہئے۔

ایک اور سوال کہ رپورٹرز کی جانبداری اور نامناسب اخلاقیات سمیت خبر کے بدلے میں پیسے مانگنے جیسے معاملات کی وجوہات کیا ہیں؟ اس کے جواب میں کہا گیا کہ بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں صحافیوں کی پیشہ ورانہ تربیت اور ان کی اخلاقیات پر کسی ادارے کی جانب سے کوئی خاطر خواہ انتظامات نہیں کئے جاتے۔اس وجہ سے ان کے کام، اخلاقیات اور معاملات میں کافی جھول دکھائی دیتا ہے۔خبر کے بدلے میں پیسوں کا

تقاضہ بھی عدم تربیت اور غیر معقول معاوضہ سے جڑا ہوا ہے اگر ادارے اپنے کارکن رپورٹر کو معقول معاوضہ دیں تو پھر رپورٹر بھی صرف اپنے کام پر پوری توجہ دے سکے گا اور کسی متاثرہ شخص یا کسی باثروت شخص سے پیسوں کا تقاضہ یا اُمید نہیں لگائے گا۔

ایک سوال کہ زیادہ تر رپورٹرز کی تعلیم ثانوی سی ہوتی ہے۔جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اس کی ذمہ دار بھی میڈیا ہاؤسز ہیں جو ایک تعلیمیافتہ، تربیت یافتہ اور نہایت اچھی ساکھ کا کارکن رکھیں گے تو ظاہری بات ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کے مطابق معاوضہ بھی طلب کریگا اور اپنے کام میں اپنا دماغ بھی استعمال کریگا۔ جبکہ ایک عام اور بیروزگار شخص جو کہ کہیں نہ کہیں کام کاج کا متلاشی ہے وہ بڑی آسانی سے میڈیا میں انٹری دے سکتا ہے اور ملک کے 98 فیصد میڈیا اداروں میں ہیومن ریسورس کا شعبہ ہی نہیں جہاں تعلیم کے کردار اور میرٹ کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔جس کی وجہ سے رپورٹرز کی بھرتی میں کئی خامیاں پائی جاتی ہیں بلکہ اس سے دوقدم آگے کئی ادارے اپنے کارکنوں سے لاکھوں روپے ڈپازٹ رقم لیکر انہیں بھرتی کرتے ہیں اور گاہے بگاہے ان سے پیسوں اور بہت سے جبری تحائف کی فرمائشیں بھی کی جاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اکثر کارکنوں کی اخلاقیات بہت کمزور ہوتی ہے اور وہ کسی متاثرہ شخص یا خاتون سے بہتر طور پر تبادلہ خیال اور معاملات کو ہینڈل نہیں کر پاتے۔

ایک سوال کہ ایک اخباری کارکن کی میرٹ کیا ہے؟ جواب میں آغا یار نے کہا کہ ایک رپورٹر کی کم سے کم صلاحیت ایم اے جرنلزم، ادارتی تربیت، فیلڈ کا کم ازکم سینئر کے ساتھ دو سالہ تجربہ، جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ریسرچ، کسی موثر صحافتی تنظیم کی ممبرشپ اور موثر پریس کلب کا رُکن ہونا لازم ہے۔ جبکہ میڈیا ادارے کی جانب سے اپنے کارکن کی مانیٹرنگ بھی لازمی ہے۔

طرزفکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت

بشیر وسیم

انسانی حقوق کا آغاز اور خاص کر ان حقوق کی تعلیم اور لوگوں میں شعور کی بیداری کا باقاعدہ آغاز 21 ویں صدی میں ہوا۔جس کے تحت (3) مقاصد کا حصول اولین حیثیت رکھتا تھا، ان میں ترقی کرنا، عوام کو بااختیار بنانا، قانونی مقاصد اور قوانین کے نفاذ کی جدوجہد تھی۔ان انسانی حقوق کو آج کے دور میں بھی انہیں مقاصد کے حصول کے لئے بنیادی نکتہ کے طور پر پیش کیا جارہا ہے اور اس بات کو آسانی سے سمجھنے کے لئے موضوع کو چار مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

طرزفکر: ایک ایسا مرکزی نکتہ ہو جو انسان کے سوچ بچار اور ذہن سے تعلق رکھتا ہے کہ انسان چیزوں اور مختلف حالات کو کس طرح پرکھتا ہے اور اس پر اپنا ردعمل یا عمل کا اظہار کرتا

> رپورٹرز کی بھرتی میں کئی خامیاں پائی جاتی ہیں بلکہ اس سے دوقدم آگے کئی ادارے اپنے کارکنوں سے لاکھوں روپے ڈپازٹ رقم لیکر انہیں بھرتی کرتے ہیں اور گاہے بگاہے ان سے پیسوں اور بہت سے جبری تحائف کی فرمائشیں بھی کی جاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اکثر کارکنوں کی اخلاقیات بہت کمزور ہوتی ہے۔

ہے۔سوچ اس کو اور اسکی عادات واطوار میں دو طرح کی تبدیلیاں لانے کا سبب بنتی ہے۔ایک اس ذریعے مثبت تبدیلی اور دوسری منفی تبدیلی۔

مثبت تبدیلی: ایسی تبدیلی جو آپ کی سوچ اور عمل یا ردعمل کو ہر صورت ملک وقوم یا معاشرے کے تعمیر کی عمل میں اپنا حصہ ڈال سکے مثبت تبدیلی ہوگی۔

جمہوری رویے: ایسے جو رویے رواداری اور انصاف پر مبنی ہوں یہ جمہوری رویے کا باعث بنتے ہیں۔

تعلیمی ادارے اور نصاب: زمانہ قدیم میں حکومتوں پر کنٹرول اور معلومات کے سارے وسائل کیلئے بادشاہت کا اصول اپنایا جاتا تھا۔صرف بادشاہوں کی نسل کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جاتا تھا۔آجکل کے دور میں یہ کام میڈیا، اسکول اور تعلیمی نصاب کررہا ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارا یہ نظام اور خاص کر اسکول اور تعلیمی نصاب دو باتوں کا تدارک کرنے سے ابھی تک قاصر ہے۔نصاب میں اختلاف رائے اور عدم برداشت کے اسباق کا نہ ہونا انتہاپسندی کے فروغ میں سرفہرست ہیں۔اگر ان دو چیزوں پر قابو پالیا جائے تو نہ صرف طرزفکر میں مثبت تبدیلی آسکتی ہے بلکہ اس ملک اور قوم میں جمہوری رویوں کو فروغ مل سکے گا۔ اور یہ سب تبھی ممکن ہوگا جب یہ کام بچپن سے ہی اپنے تعلیمی نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم شامل کرکے ایک اچھا انسان بنانے کا عمل شروع کیا جائے۔

ہمارے ملک میں نظام تعلیم کا برا حال ہے۔نصاب تعلیم میں انسانی تاریخ کو مسخ کرکے رکھ دیا گیا ہے۔سائنس، ٹیکنالوجی اور جدید علوم کا پڑھایا جانا آج کی اہمیت اور ضرورت ہے۔

انتہاپسندی کیا ہے، اس کے مختلف اقسام ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کیلئے لائحہ عمل

صائمہ مظہر

عمومی طور پر جب ہم انتہاپسندی کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہنوں میں فوراً مذہبی انتہاپسندی کا نام آتا ہے اور ایسا ہونا اس لیے فطری ہے کہ معاشرتی سطح پر ہم اس کا سب سے زیادہ شکار ہیں۔ انتہاپسندی کی چند ایک اقسام میں مذہبی انتہاپسندی، سماجی انتہاپسندی اور ریاستی انتہاپسندی شامل ہیں۔

مذہبی انتہاپسندی: مذہبی انتہاپسندی کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ عقیدے کی بنیاد پر انسانوں کی برتری اور کمتری کا تعین کرنا اور اسی عقیدت کی رو سے ان سے سلوک کرنا۔ یہ ایک طرح سے انتہاپسندی کی سب سے بڑی خطرناک قسم ہے کیونکہ انسانی تاریخ میں لوگ سب سے زیادہ اسی وجہ سے غیر انسانی سلوک کا نشانہ بنے ہیں۔ یہ تمام انسانوں کا بنیادی حق ہے کہ آپ اپنے عقیدے کو برحق سمجھیں لیکن کسی کے عقیدے کو بزور طاقت تبدیل کرنا غلط ہے۔

سماجی انتہاپسندی: ہم سب اپنی زندگی میں کہیں نہ کہیں اس کا شکار ہورہے ہیں۔سماجی روّیوں اور ضابطوں میں کسی بھی صورت انتہا پر چلے جانا سماجی انتہاپسندی کہلاتا ہے۔مثال کے طور پر ہمارے سماج میں بچیوں کی کم عمری میں شادیاں یا پھر شادی طے کرتے وقت ان کی مرضی کو شامل نہ کرنا اور کاروکاری کے نام پر قتل سماجی انتہاپسندی کہلاتی ہے۔

سیاسی انتہاپسندی: پاکستانی سماج میں اس کی کئی مثالیں ملیں گی۔طاقت کے دم پر کسی کے ووٹ کا حق چھین لینا سیاسی انتہاپسندی ہے۔ووٹ معاشرے کے ہر فرد کا حق ہے لیکن جب کوئی ڈرا دھمکا کر یا لالچ دے کر اس حق کو پامال کرتا ہے تو وہ سیاسی انتہاپسندی کا مرتکب ہوتا ہے۔

پاکستان آج انتہاپسندی کے مسئلے سے دوچار ہے جس کے اثرات ہمارے معاشرے پر تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ہمیں چاہئے کہ اس مرض سے چھٹکارا حاصل کریں اور ملک کو اس تباہی سے بچانے کی مل کر کوشش کریں۔ہمیں رواداری اختیار کرنی ہوگی، ایک دوسرے کی رائے کا احترام اور برداشت کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔

شرکاء کی رائے: ورکشاپ کے اختتام پر شرکاء میں سرٹیفکیٹ تقسیم کئے گئے اور گروپ فوٹو لی گئی۔شرکاء نے ایچ آر سی پی کی ایسی تربیتی ورکشاپ کو سراہا اور کہا کہ ان کے ضلع میں ایسی ورکشاپ کی ضرورت تھی جس میں انہیں اپنے حقوق کی آگاہی ملی اور ملک میں بڑھتی ہوئی انتہاپسندی کے نقصانات کا پتا چلا۔ اس ورکشاپ کی مدد سے ہم کو اپنے حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد میں مدد ملی۔شرکاء نے اس عزم کا اعادہ کیا

کہ وہ اس پیغام کو اپنی کمیونٹی، محلے تک ضرور پہنچائینگے۔

ٹنڈو محمد خان 22-23 نومبر 2015ء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی جانب سے ''انتہاپسندی کے خاتمے اور انسانیت دوست اقدار'' کے فروغ کے عنوان سے 22-23 نومبر 2015ء کو ضلع ٹنڈو محمد خان میں دوروزہ تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا ۔جن موضوعات پر تربیت کاروں نے لیکچر دیئے ان میں حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار، جمہوریت اور انسانی حقوق، انسانی حقوق اور معاشی ترقی کے مابین تعلق، انتہاپسندی کیا ہے، اس کے مختلف اقسام اور ہماری زندگیوں پر اثرات اور اس کے خاتمے کے لیے لائحہ عمل، طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ میں تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت، میڈیا کیا ہے، اس کی مختلف اقسام بدلتے ہوئے رجحانات اور انتہاپسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار شامل ہیں۔ سہولت کاروں میں جمیلہ منگی، ندیم عباس، ضلع کوآرڈینیٹر منظور شورو، راجہ حبیب الرحمٰن اور ڈاکٹر حریش شامل تھے اور تربیتی ورکشاپ میں شریک ہونے والے شرکاء میں تعلقہ رانی پور کے مختلف علاقوں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے شرکت کی۔

تربیتی ورکشاپ کے دوران شرکاء کو ایچ آر سی پی پر بنی وڈیو ڈاکومنٹری اور دستاویزی فلمیں ہم انسان اور لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر دکھائی گئیں جنہیں شرکاء نے بے حد پسند کیا، تربیتی ورکشاپ کے دوران گروپ ورک کے ذریعے ضلع ٹنڈو محمد خان میں انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ بھی لیا گیا جس میں شرکاء نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

ورکشاپ کے اغراض ومقاصد

جمیلہ منگی ریجنل کوآرڈینیٹر (ایچ آر سی پی)

اس ورکشاپ کا مقصد پاکستان کو درپیش مسائل کا تجزیہ کرنا ہے تاکہ ان مسائل کا ممکنہ حل تلاش کیا جاسکے۔ اس وقت پاکستان کو درپیش سب سے سنگین مسئلہ انتہاپسندی ہے جو دیمک کی طرح ہمارے ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ ایچ آر سی پی نے پاکستان کے مختلف اضلاع میں ورکشاپ منعقد کرنے کے بعد تعلقہ کی سطح پر بھی ورکشاپ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی انتہاپسندی نے انسانی حقوق کی پامالی اور مذہبی اختلافات میں اضافہ کردیا ہے۔ ہمیں اس وقت رواداری اور برداشت جیسے تصورات کو فروغ دینا چاہیے۔ اور روشن خیال لوگ پیدا کرنے چاہئیں۔

> دوعالمی جنگوں کے بعد اقوام متحدہ کا ادارہ وجود میں آیا جس نے 10 دسمبر 1948ء کو اپنی جنرل اسمبلی کے پہلے اجلاس میں منظور کی جانے والی قرارداد میں اعلان کیا کہ ہم باشندگانِ اقوام متحدہ اس عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ آنے والی نسلوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے نجات دلائیں گے اور مساویانہ حقوق کی توثیق کرتے ہیں جس کو انسانی حقوق کا عالمی منشور کہا جاتا ہے۔ یہ منشور 30 دفعات پر مشتمل ہے۔ انسان کا پہلا حق بلاخوف وخطر زندگی بسر کرنا ہے۔ خوراک اور لباس کے بعد ہر طرح کی جکڑ بندیوں سے جسمانی اور روحانی طور پر آزادی بھی انسانی حقوق میں شامل ہے۔

حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

جمیلہ منگی

جہاں انسان بستے ہوں وہاں ان کے حقوق بھی ہوتے ہیں اور موجودہ انسانی معاشرہ میں بھی حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ حقوق کے بارے اقوام متحدہ کا باقاعدہ چارٹر ہے لیکن یہاں اہم ترین سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ انسانی معاشرہ میں جو تہذیب، تمدن اور علمی اعتبار سے انتہائی ترقی یافتہ کہلاتا ہے اس معاشرہ میں لوگوں کو ان کے انسانی حقوق حاصل نہیں جو بین لاقوامی سطح پر تسلیم شدہ ہیں۔

دوعالمی جنگوں کے بعد اقوام متحدہ کا ادارہ وجود میں آیا جس نے 10 دسمبر 1948ء کو اپنی جنرل اسمبلی کے پہلے اجلاس میں منظور کی جانے والی قرارداد میں اعلان کیا کہ ہم باشندگانِ اقوام متحدہ اس عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ آنے والی نسلوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے نجات دلائیں گے اور مساویانہ حقوق کی توثیق کرتے ہیں جس کو انسانی حقوق کا عالمی منشور کہا جاتا ہے۔ یہ منشور 30 دفعات پر مشتمل ہے۔ انسان کا پہلا حق بلاخوف وخطر زندگی بسر کرنا ہے۔ خوراک اور لباس کے بعد ہر طرح کی جکڑ بندیوں سے جسمانی اور روحانی طور پر آزادی بھی انسانی حقوق میں شامل ہے، لیکن عالمی منظر نامہ پر نظر ڈالی جائے تو اس سلسلے میں بہت گہرا تضاد نظر آتا ہے۔ پاکستان میں اب تک جتنے حکمران آئے وہ سب کے سب فوجی ہوں یا سویلین، سارے پاکستانی شناخت ہی رکھتے ہیں۔ پھر وہ اپنے ہی لوگوں کو ان کے حقوق کیوں نہ دے سکے؟ پاکستان کے کروڑوں لوگ دور دراز علاقوں میں ہی نہیں کراچی اور دیگر شہروں میں غیر انسانی ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہیں نہ تعلیم کی سہولت میسر ہے نہ صاف پینے کے پانی۔ چھوٹے چھوٹے بچے جنہیں تعلیمی درسگاہ میں ہونا چاہیے تھا وہ چائے خانوں، موٹر مکینکوں کی دکانوں اور گھریلو ملازمین کے طور کر رہے ہیں۔

سول سوسائٹی کا کردار: اس ملک کا مقدر، اس ملک کا مستقبل اور اس ملک کی کامیابی سب ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ہماری غلطی یہ ہے کہ ہم اپنا اور اپنے ملک کا مستقبل اپنے پاس ہونے کے باوجود کسی دوسرے کے ہاتھ میں ڈھونڈتے رہے ہیں۔ کبھی شخصیات کی پوجا کرکے اور کبھی مارشل لاء میں۔ لیکن جس دن ہم نے اپنی سوچ اور کردار اور ملک کے حوالے سے اپنے فرائض کو بہتر کرتے ہوئے سنبھال لیا اسی دن ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ ہم ایک ایسی کشتی میں سوار نہیں ہیں جس کے بارے میں دوسروں سے پوچھنا پڑے کہ اس کا مستقبل کیا ہے؟ آیئے اپنا اپنا کردار ادا کریں۔

جمہوریت اور انسانی حقوق، انسانی حقوق اور معاشی ترقی کے مابین تعلق

ڈاکٹر ہریش

جمہوریت ایسا نظام ہے جو کسی بھی حکومت کے انتخاب اور تبدیلی کے لیے منصفانہ انتخاب کے ذریعے عمل میں لایا جاتا ہے جس میں لوگوں کی فعال شمولیت ہوتی عوام ہے۔ ایک ایسے قانون کی حکمرانی جس میں قوانین اور ضابطوں کا اطلاق ریاست کے ہر فرد پر یکساں ہو۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں جمہوری نظام رائج ہے اور ان ممالک کی عوام اس نظام کے ثمرات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کیے ہوئے ہیں جن میں ہمارا پڑوسی ملک بھارت بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے 1947ء میں آزادی کے بعد سے آج تک ملک میں حقیقی اور شفاف جمہوریت قائم نہ ہوسکی۔ قائداعظم کی سیاسی زندگی کو دیکھا جائے تو یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ قائداعظم جمہوریت اور آئین کی بالادستی پہ مکمل یقین رکھتے تھے۔ تحریک پاکستان کے دوران ایک دفعہ تجویز پیش کی گئی کہ آپ مسلم لیگ کی مستقبل صدارت قبول کرلیں تو قائداعظم نے صاف انکار کردیا اور دستور کا حوالہ دیکر فرمایا کہ سالانہ انتخاب نہ صرف جماعت کو فعال بنائے گا بلکہ اس سے آمریت کا رجحان بھی ختم ہوگا۔ افسوس صد افسوس اس عظیم جمہوری سوچ کے مالک قائد کے بنائے گئے پاکستان میں جمہوریت کے نام پہ سالوں سے چند خاندانوں کی بادشاہت قابض ہے۔ ایک خاندان کے افراد تاحیات اپنی

جماعتوں کے سربراہ رہتے ہیں۔ اول تو کسی جماعت میں الیکشن ہی نہیں ہوتے اور اگر رسمی طور پہ الیکشن کروانا بھی پڑ جائے تو حضور بلا مقابلہ ہی منتخب ہوجاتے ہیں۔ ملک میں عملی طور پر آج بھی جمہوریت نہیں ہے، آئین عملی طور پہ مفلوج ہے اور محض زبانی جمع خرچ سے کام چلایا جارہا ہے۔ اربوں روپے کے منصوبوں کی شفافیت کو یقینی بنانے کے لئے احتساب کا مروجہ نظام فعال ہی نہیں۔

انتہاپسندی کیا ہے ،اس کے مختلف اقسام اور ہماری زندگیوں پر اثرات اوراس کے لیئے لائحہ عمل

راجہ حبیب الرحمٰن

انتہاپسندی ایک سوچ ہے جوانسان اپنی مرضی سے تخلیق کرتا ہےاوردوسروں پر مسلط کرتا ہےخواہ وہ سیاسی انتہاپسندی ہو یا مذہبی ،سماجی ہو یا معاشی انتہاپسندی۔ پاکستان میں انتہا پسندی کے پھیلنے کی کئی ایک وجوہات ہیں اور یہ تین سطحوں پر موجود ہیں۔ اول کم آمدن والے طبقات میں خاص طور پر وہ علاقے جہاں گورننس کا نظام انتہائی ناقص ہے جن میں افغان سرحد سے منسلک قبائلی علاقے اور خیبر پختونخواہ کے قریبی اضلاع شامل ہیں جہاں عدم مساوات اور غیر مؤثر انتظامی ڈھانچے نے دہشت گردی اور انتہا پسندی کو ہوا دی ہے۔ ان علاقوں میں موجود بعض مدارس اور عسکریت پسند گروہ فرقہ وارانہ تشدد کی وجہ بنتے ہیں۔ یہ امر باعث حیرت نہیں ہے کہ فرقہ پرست تنظیمیں ،عدم مساوات اور غیر مؤثر انتظامی ڈھانچے نے دہشت گردی اور انتہا پسندی کو ہوا دی ہے۔ چھوٹے عسکریت پسند گروہوں نے ان علاقوں میں اپنے مضبوط مراکز قائم کر رکھے ہیں۔ قبائلی علاقوں میں عسکریت پسندی میں یہ عوامل اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

معاشرے میں اعلیٰ اور متوسط طبقے اور نام نہاد اشرافیہ میں انتہا پسندی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انتہا پسند گروہ خود کو تبدیلی کا آلہ کار سمجھتے ہیں۔ وہ ایسا کام چاہتے ہیں جس سے انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے مگر وہ جانے انجانے میں اسے ایک مثبت اقدام تسلیم کرتے ہیں۔ شدت پسند اقدام کے ذریعے انسانیت سوز سلوک سے گریز نہ کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ سب مذہبی اقدار کے فروغ کے حق میں ہے اور اس کی مذہب میں اجازت ہے۔ جیسا کہ ہم نے پاکستان میں سوات اور اس کے گردونواح میں دیکھا جہاں طالبان نے جبر تسلط قائم کر دیا تھا اور اس کو مذہبی اقدار کا تحفظ قرار دیا۔ اگرچہ کنٹرول سے قبل سوات کے مکینوں نے اس اقدام کا خیر مقدم کیا تھا۔ معاشرے میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کس انداز سے مذہب کی بنیاد پر حاکمیت مسلط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہم کسی خطے کا جائزہ لیں ہم تو دیکھ سکتے ہیں کہ ہر جگہ مختلف مذاہب اور عقائد کے لوگ پنے اپنے عقائد کے فروغ کی جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں۔ لیکن جہاں انتہا پسندی کے اثرات موجود ہوتے ہیں وہاں مسائل کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔ آج جس

> انتہاپسندی ایک سوچ ہے جو انسان اپنی مرضی سے تخلیق کرتا ہے اور دوسروں پر مسلط کرتا ہے خواہ وہ سیاسی انتہاپسندی ہو یا مذہبی ،سماجی ہو یا معاشی انتہاپسندی۔ پاکستان میں انتہا پسندی کے پھیلنے کی کئی ایک وجوہات ہیں اور یہ تین سطحوں پر موجود ہیں۔ اول کم آمدن والے طبقات میں خاص طور پر وہ علاقے جہاں گورننس کا نظام انتہائی ناقص ہے جن میں افغان سرحد سے منسلک قبائلی علاقے اور خیبر پختونخواہ کے قریبی اضلاع شامل ہیں جہاں عدم مساوات اور غیر مؤثر انتظامی ڈھانچے نے دہشت گردی اور انتہا پسندی کو ہوا دی ہے۔ ان علاقوں میں موجود بعض مدارس اور عسکریت پسند گروہ فرقہ وارانہ تشدد کی وجہ بنتے ہیں۔

ملک یا خطے میں انتہاپسندی کے اثرات موجود ہیں وہاں ترقی کی راہ میں رکاوٹیں حائل ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ ہمیں ترقی کا لائحہ عمل سوچنا چاہئے، ہمیں اپنے رویوں، کو تبدیل کرنا چاہئے، انتہا پسندانہ سوچ کو ختم کرنا چاہئے اور تعلیم اور شعور کو بڑھانا چاہئے۔

طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری روّیوں کے فروغ میں تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت

ندیم عباس

اس موضوع کا دارومدار انتہاپسندی کے مضر اثرات پر ہے جس کی بنیاد لاشعوری طور پر تعلیمی نصاب میں رکھی جارہی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ تعلیم دینی ہو یا روحانی، ہر علم کو رسماً کسی ادارے میں حاصل کیا جاتا ہے جس کے ساتھ تربیت کا عمل بھی شامل ہوتا ہے۔ انگریزی زبان میں لفظ ایجوکیشن سے مراد صرف تعلیم نہیں بلکہ تعلیم و تربیت ہے۔ اس لئے نصاب مرتب کرتے وقت دور حاضر کے حالات، اور ضرورتیں سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جاتا ہے۔ پھر کورس کو ترتیب دیا جاتا ہے اور وہی کورس تعلیم و تربیت کی صورت میں تعلیمی اداروں کی معرفت نئی نسل کی طرف منتقل کیا جاتا ہے تاکہ نئی نسل کے ذہنوں کی درست رخ میں آبیاری کی جاسکے۔ اس بات کا مسلسل جائزہ لینا ضروری ہے کہ مرتب شدہ نصاب سے تعلیمی اداروں کا حشر کیا ہورہا ہے اور ہماری نئی نسل کی اخلاقیات کس قدر سدھری ہیں۔ نصاب کے حوالے سے کچھ اسکالرز کی تنقیدی تحریریں منظرِ عام پر آئی ہیں جن میں شکایت کی گئی ہے کہ نصابِ کتابیں بچوں کو بنیاد معلومات دینے کی بجائے مذہب اور اخلاقی تبلیغ سے بھری پڑی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب اسلامیات ایک الگ مضمون کے طور پر پڑھایا جاتا ہے تو پھر سائنسی مضامین میں اسلامی سبق دینے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسا کرنے سے اسلام کی خدمت ہوگی یا ایک قسم کی انتہاپسندی کو تقویت ملے گی؟ اس طرح کچے ذہنوں میں فکری سوچ کی تالا بندی ہورہی ہے اور ان ذہنوں میں کسی نکتے پر فکری یا تنقیدی سوچ پروان نہیں چڑھ رہی۔

میڈیا کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، بدلتے ہوئے رجحانات اور انتہاپسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار

جمیلہ منگی

میڈیا میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا شامل ہے۔ پچھلے کئی سالوں میں ہمارے ملک کے میڈیا نے بہت ترقی کی ہے، بہت سارے اخبارات اور ٹی وی چینلز نے اپنی اپنی اشاعت اور نشریات کا آغاز کیا ہے۔ اسکے بہت سارے فوائد بھی حاصل ہوئے ہیں اور کچھ نقصانات کا بھی احساس ہوا ہے۔ کچھ اداروں نے مرضی کے ہیرو اور مرضی کے زیرو بنا کر اپنی طاقت کا استعمال کیا۔ بہت سے چینلز نے میڈیا کو ایک ذمہ داری اور امانت کے طور پر استعمال کر کے اپنا فرض ادا کیا۔ ریاستی میڈیا دراصل وہ مواصلاتی ذریعہ ہے جو پرنٹ یا الیکٹرانک وسائل کے ساتھ حکومت وقت کی پالیسیوں کی تشہیر کرتا ہو جیسا کہ پاکستان میں یہ کام پی ٹی وی کرتا ہے۔ جبکہ نجی میڈیا کے زیادہ تر چینلز اور اخبار زیادہ تر حقائق کو مسخ کر کے منافع کمانے پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔ نجی میڈیا کے مالکان صرف اور صرف اس لیے سرمایہ کاری کرتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ منافع کما سکے۔ نجی میڈیا کی خبر کی بنیاد علاقائی رپورٹرز ہوتے ہیں اور بدقسمتی سے پاکستان میں نجی میڈیا کے جو علاقائی رپورٹرز ہوتے ہیں وہ زیادہ تر پیشہ ور صحافی نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ان کی باقاعدہ ماہانہ تنخواہ بھی نہیں ہو۔

شرکاء کی رائے: ورکشاپ کے اختتام پر شرکاء کو سرٹیفکیٹ تقسیم کئے گئے اور گروپ فوٹو لی گئی اور شرکاء نے

ایچ آر سی پی کی ایسی تربیتی ورکشاپ کو سراہا کہ اُن کے ضلع میں ایسی ورکشاپ کی ضرورت تھی جس میں ہمیں اپنے حقوق کی آگاہی ملی جس کی مدد سے ہم اپنے حقوق حاصل سے روشناس ہوئے۔ وہ اس پیغام کو ہم اپنی کمیونٹی، وہ محلے تک ضرور پہنچائیں گے۔

لیاری/کراچی 15-14 دسمبر 2015ء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی جانب سے ''انتہاپسندی کے خاتمے اور انسانیت دوست اقدار'' کے فروغ کے عنوان سے 14-15 دسمبر 2015 کو انعم اسکوائر چورنگی کراچی ایسٹ میں دوروزہ تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا جس میں درج ذیل موضوعات پر تربیت کاروں نے لیکچر دیئے: حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار، انتہاپسندی کیا ہے، اس کے مختلف اقسام اور ہماری زندگیوں پر اثرات اور اس کے لیئے لائحہ عمل، پاکستان میں عدم رواداری، عدم برداشت کے معاشرے پر اثرات اور اس صورتحال میں بہتری کیلئے لائحہ عمل، طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کیلئے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت، میڈیا کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، بدلتے ہوئے رجحانات اور انتہاپسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار۔ سہولت کاروں میں پروگرام آفیسر حفیظ بزدار، ریجنل کوآرڈینیٹر جمیلہ منگی، ضلعی کوآرڈینیٹر قاضی خضر، ایچ آر سی پی سندھ چیپٹر کے وائس چیئر مین اسد بھٹ، ڈاکٹر ریاض شیخ اور توصیف احمد شامل تھے اور تربیتی ورکشاپ میں شریک ہونے والے آٹھ خواتین سمیت 43 شرکاء میں ضلع کے مختلف علاقوں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں، مرد اور خواتین نے شرکت کی۔ تربیتی ورکشاپ کے دوران شرکاء کو دستاویزی فلمیں دکھائی گئیں جن میں، ہم انسان، لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر شامل ہیں۔ ان دستاویزی فلموں کو شرکاء نے بے حد پسند کیا۔ تربیتی ورکشاپ کے دوران گروپ ورک کے ذریعے ضلع میں انسانی حقوق کی صورتحال کا ایک جائزہ بھی لیا گیا جس میں شرکاء نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔

ورکشاپ کے اغراض ومقاصد

پروگرام آفیسر حفیظ بزدار

اس ورکشاپ کا مقصد پاکستان کو درپیش مسائل کا تجزیہ کرنا ہے تاکہ ان مسائل کا ممکنہ حل تلاش کیا جاسکے۔ اس وقت پاکستان کو درپیش سب سے سنگین مسئلہ انتہاپسندی کا ہے جو دیمک کی طرح ہمارے ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ ایچ آر سی پی نے پاکستان کے مختلف اضلاع کے علاوہ تحصیل کی سطح پر تربیتی نشستیں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ تیزی سے بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کے اثرات سے بچا جاسکے جو ہماری انفرادی واجتماعی زندگی کے لیے مہلک ہے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی نے انسانی حقوق کی پامالی اور مذہبی اختلافات میں اضافہ کردیا ہے۔ ہمیں اس وقت رواداری اور برداشت جیسے تصورات کو فروغ دینا چاہئے۔

> **10 دسمبر 1948ء کو عالمی سطح پر انسانی حقوق کا نظام کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے لئے عالمی سطح پر انسانی حقوق کے علمبردار ترقی پسند اور جمہوریت پسند تحریکوں نے ایک طویل جدوجہد کی۔ ان راہنماؤں، کارکنوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، ریاستی جبر و تشدد برداشت کیا اور بالآخر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کا اعلامیہ منظور کیا جس پر پاکستان سمیت رکن ممالک نے دستخط کئے اور اس پر عمل درآمد کرنے کے پاکستان سمیت رکن ممالک اخلاقی طور پر پابند قرار پائے۔**

حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

حفیظ بزدار

10 دسمبر 1948ء کو عالمی سطح پر انسانی حقوق کے نظام کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے لئے عالمی سطح پر انسانی حقوق کے علمبردار ترقی پسند اور جمہوریت پسند تحریکوں نے ایک طویل جدوجہد کی۔ ان رہنماؤں، کارکنوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، ریاستی جبر و تشدد برداشت کیا اور بالآخر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کا اعلامیہ منظور کیا جس پر پاکستان سمیت دیگر رکن ممالک نے متفقہ طور پر دستخط کئے اور اس پر عمل درآمد کرنے کے پاکستان سمیت رکن ممالک پابند قرار پائے۔ اقوام متحدہ کا عالمی انسانی حقوق کا منشور 30 دفعات پر مشتمل تیار کیا گیا جس میں قرار دیا گیا تھا کہ تمام انسان آزاد ہیں، حقوق اور عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں ضمیر اور عقل کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک اپنانا چاہئے جس میں تمام انسانی حقوق برابر قرار دیئے گئے۔ یعنی تمام انسانوں کو روزگار، رہائش، تعلیم، صحت کے مواقع کی فراہمی کا ہر مملکت کو پابند کیا جائے گا۔ ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب، معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہوگا۔ ہر شخص کو تحریر و تقریر کی آزادی، سیاسی جماعت بنانے، ٹریڈ یونین بنانے کی آزادی ہو گی۔ اوقات کار اور ہفتہ وار تعطیلات کا تعین ہوگا۔ ہر شخص کی قومی اور ثقافتی زندگی کے احترام کے لئے تمام رکن ممالک اور دیگر ممالک کو پابند کرنا ہے۔ کسی ملک، گروہ یا شخص کی حوصلہ شکنی کرنا لازم ہے جو ان تمام مقررہ انسانی حقوق کی منشا اور آزادیوں کی نفی کرتا ہو۔ پاکستان میں انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت پاکستان کے آئین 1973ء کے اندر موجود ہے۔ مساوی حقوق، انفرادی و اجتماعی حقوق کا تحفظ، تحریر و تقریر کی آزادی، ٹریڈ یونین بنانے اور سیاسی جماعت بنانے کا حق پاکستان کے آئین کا حصہ ہیں۔ لیکن عملی طور پر ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر شخص کو ووٹ دینے اور لینے کا حق حاصل ہے۔ ملک میں جاگیردارانہ نظام جوں کا توں ہے جو ملک میں انڈسٹری کی راہ میں شدید رکاوٹ ہے جس سے ملک میں ترقی اور خوشحالی نہیں آسکتی۔ ملکی دولت اور وسائل پیداوار چند خاندانوں کے پاس ہیں۔ ملک کی 70 فیصد آبادی مفلوک الحال اور غربت میں زندگی گذار رہی ہے۔ اسلحہ اور دہشت گردی کا دورہ دورہ ہے۔ رشوت اور اقربا پروری عروج پر ہے۔ چوری چکاری، ڈاکہ زنی معمول بن چکا ہے۔ اس ملک میں زیادہ تر فوجی آمریت قائم رہی ہے جس نے ملک کی معیشت کا بیڑہ غرق کیا۔ اقوام متحدہ کے طے کردہ عالمی انسانی حقوق کے منشور پر پاکستان نے دستخط کئے ہیں لیکن ان کی صریحاً خلاف ورزی کی جارہی ہے۔ ملک کے اندر نام نہاد جہادی پیدا کئے گئے جو کہ آج دہشت گردوں کا روپ دھار چکے ہیں۔ ملک میں خودکش حملوں، بم دھماکوں سے مساجد، مندر، گرجے، امام بارگاہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ بے دردی کے ساتھ انسانوں کا قتل عام کیا جارہا ہے۔ بے روزگاری انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ روزگار کے حصول کے لئے پڑھا لکھا، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور عام آدمی در در کے دھکے کھا رہا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے لوگوں کو ان کے حقوق کی آگاہی کرائی جائے اور انسانی حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے کے لئے تحریک چلائی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کے اندر کافی تعداد میں انسانی حقوق کی علمبردار، ترقی پسند اور جمہوریت پسند تنظیمیں موجود ہیں لیکن ان کو کافی مشکلات درپیش ہیں۔

ایک تو وہ خود متحد نہیں ہیں دوسری سب سے بڑی رکاوٹ مذہبی جنونیت کی ہے جس نے ترقی پسندوں اور انسانی حقوق کے لئے آواز اٹھانے والی تنظیمیں کو اسلام دشمن قرار دینے کے فتویٰ کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اور معصوم اور غریب لوگوں کو ورغلاتی رہتی ہیں۔

انتہا پسندی کیا ہے، اس کی مختلف اقسام اور ہماری زندگیوں پر اثرات اور اس کے لیئے لائحہ عمل

قاضی خضر

انتہا پسندی کا مطلب ہے حد سے گزر جانا جس کا متبادل کوئی نہ ہو۔انتہا پسندی کئی جگہوں میں پائی جاتی ہے۔کہیں مذہب میں تو کبھی سیاست میں،کبھی سماج تو کبھی معاش میں۔ہمیں تھوڑی پیچھے نظر دوڑانی ہوگی کہ یہ انتہا پسندی آئی کیسے اور ہماری زندگیوں پر اس کے اثرات کیسے پڑے ہیں۔پاکستان میں فوجی بالادستی کا آغاز جنرل ایوب خان کے وزیر دفاع بننے سے ہوتا ہے، اور پھر اس بالادستی نے ایسی شکل اختیار کی جس کا نتیجہ 1958ء کے مارشل لاء کی صورت میں نکلا اور یہ پاکستان پر مسلط ہونے والی تاریک رات کی ابتدا تھی۔پھر پے در پے مارشل لاؤں کے نتیجے میں پاکستان پر انتہا پسندوں کا غلبہ ہوتا گیا۔وہ انتہا پسند جنہوں نے پاکستان اور قائد اعظم محمد علی جناح کی مخالفت کی اور پاکستان کا قیام روکنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اب ان انتہا پسندوں کا میڈیا سمیت پاکستان کے تمام اہم اداروں پر غلبہ ہو چکا ہے۔اس طبقے کی جمہوریت سے نفرت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ان کا کہنا ہے کہ یہ جمہوریت ہی ہے جو گدھے گھوڑے کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیتی ہے۔ان پڑھ اور پڑھے لکھے میں کوئی فرق نہیں کرتی، دونوں کے ووٹ کی قیمت ایک جیسی ہوتی ہے۔ پاکستان کے حکمران طبقے انتہا پسندوں کی مدد سے عوام کے حق حکمرانی سے انکار کرتے رہے ہیں۔پاکستان کے حکمران طبقوں نے اپنی بقا کو یقینی بنانے کے لیے انتہا پسند قوتوں کو جنم دیا اور پھر ان کی پرورش کی۔ یہ بالادست طبقوں کی ایک ایسی عیارانہ چال ہے جس کو پاکستانی عوام کبھی پوری طرح سمجھ نہیں سکے۔ان قوتوں نے فرقہ واریت کے نام پر لوگوں کو تقسیم کر کے پاکستانی عوام کی طاقت کو تقسیم کر دیا۔اب ہر فرقہ ایک دوسرے کا دشمن بن گیا ہے۔حکمران طبقوں کا اس وقت سب سے بڑا ہتھیار مذہبی انتہا پسند قوتیں ہیں۔انتہا پسند قوتوں نے آج پاکستانی عوام کو اپنا یرغمال بنایا ہوا ہے جو اس سے پہلے پاکستان کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔ہمیں اس انتہا پسندی سے بچنے کے لئے لائحہ عمل ہو چنا ہوگا،ایک دوسرے کو برداشت کرنا ہوگا،تعلیم عام کرنی ہوگی اور دوسرے مذاہب کا احترام کرنا ہوگا۔

پاکستان میں عدم رواداری،عدم برداشت کے معاشرے پر اثرات اور اس صورتحال میں بہتری کیلئے لائحہ عمل

اسد اقبال بھٹ

ہم دوسرے معاشروں سے اخلاقی،معاشی اور معاشرتی طور پر اس لئے پیچھے ہیں کیونکہ ہمارے ملک کے دستور اور عوام کے درمیان ایک بہت بڑا خلاء پایا جاتا ہے۔ہم اپنی روزمرہ

انتہا پسندی کا مطلب ہے حد سے گزر جانا جس کا متبادل کوئی نہ ہو۔انتہا پسندی کئی جگہوں میں پائی جاتی ہے۔کہیں مذہب میں تو کبھی سیاست میں،کبھی سماج تو کبھی معاش میں۔ہمیں تھوڑی پیچھے نظر دوڑانی ہوگی کہ یہ انتہا پسندی آئی کیسے اور ہماری زندگیوں پر اس کے اثرات کیسے پڑے ہیں۔پاکستان میں فوجی بالادستی کا آغاز جنرل ایوب خان کے وزیر دفاع بننے سے ہوتا ہے، اور پھر اس بالادستی نے ایسی شکل اختیار کی جس کا نتیجہ 1958ء کے مارشل لاء کی صورت میں نکلا اور یہ پاکستان پر مسلط ہونے والی تاریک رات کی ابتدا تھی۔پھر پے در پے مارشل لاؤں کے نتیجے میں پاکستان پر انتہا پسندوں کا غلبہ ہوتا گیا۔

کی بات چیت میں کثرت سے لوگوں کو دوسرا یا دوسرے کہہ کر بلاتے ہیں۔ہم بار بار یہ کہتے ہیں کہ وہ اور ہم، ہمارا، ان کا میں اور وہ وغیرہ۔جب ہم یہ عمل دوہراتے ہیں تو ہم اپنے اور دوسروں کے درمیان فاصلے کی طرف نشاندہی کرتے ہیں، اپنے اور دوسروں کے درمیان ایک لکیر کھینچتے ہیں۔یہ سارا معاملہ طاقت اور اختیار سے رشتہ رکھتا ہے۔مثال کے طور پر میں آپ کو کہوں کہ آپ کے یہ کپڑے ٹھیک نہیں اور نہ یہ ہماری ثقافت کے مطابق ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے پاس کچھ طاقت یا اختیارات ہیں اس لیے میں تنقید کر رہا ہوتا ہوں۔وہ طاقت یا اختیار مجھے اپنا مذہب،ثقافت اور معاشرتی اقدار دیتے ہیں اس لیے میں آپ کے کپڑوں کو نامناسب کہہ رہا ہوں۔پہلے پہل لوگ اس طرح کا عمل شروع کر دیتے ہیں اور بعد میں تشدد پر اتر آتے ہیں۔ان کی بعد میں یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان کے ناپسندیدہ افراد کو ختم کر دیا جائے۔اگر یہ عمل ریاست خود شروع کرے جس طرح ہمارے ہاں رواج ہے تو یہ روّیہ معاشی ناہمواری، معاشرتی توڑ پھوڑ،انتشار،تشدد،نسلی اور لسانی فسادات،رنگ،مذہب اور جنس یا صنفی امتیازات کو پروان چڑھائے گا۔پاکستانی معاشرہ بدقسمتی سے چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹ چکا ہے،زبان کی بنیاد پر،نسلی امتیازات کی بنیاد پر، مذہب اور مسلک کی بنیاد پر۔جب ہم آج یہ کہہ رہے ہیں کہ مذہبی اور مسلکی ہم آہنگی ہونی چاہئے تو یہ بہت بڑی خوشی کی بات ہے کیونکہ ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ کہ ہم دوسرے مذاہب کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔اگر یہ بات ریاست سچے دل سے قبول کرے کہ پاکستان میں مذہبی ہم آہنگی ہونی چاہئے تو پھر ضرور ہوگی کیونکہ ریاست کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔

طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کیلئے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت

ڈاکٹر ریاض شیخ

ایسا کوئی معاشرہ،سوسائٹی یا ریاست جس میں عدم رواداری کا ناسور پھیل جائے نہ تو ترقی کر سکتی ہے نہ ہی عالمی برادری میں اپنا کوئی مقام بنا سکتی ہے اور نہ ہی زیادہ عرصہ اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے۔وہ سوسائٹی اپنے اندرونی تضاد کی وجہ سے یا اپنی اس کمزوری اور نہ اتفاقی کی وجہ سے بیرونی طاقتوں کے ہاتھ تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔عدم رواداری کی وجہ سے خواہ وہ مذہبی ہو،سیاسی،لسانی یا علاقائی،اعتماد کے اس فقدان کی وجہ سے غلط فہمی اور تکرار کی ایسی صورت حال جنم لیتی ہے جس سے نکلنے کا راستہ اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے۔ یہ عدم رواداری ہے جو کسی معاشرے یا ریاست کو اس حد تک متاثر کرتی ہے کہ اس کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔عدم رواداری کی مختصر تعریف ہم یوں کر سکتے ہیں کہ اپنی بات،خیال ،نظریے یا عمل میں ایسا رویہ اختیار کرنا جس میں آپ کے عمل میں کسی دوسرے کی رائے کا احترام نہ ہو اور آپ اپنی بات ،خیال یا نظریے کو تختی سے دوسروں پر مسلط کریں جیسے خود کو مذہب،ذات،زبان اور رنگ کی بنیاد پر دوسروں سے ممتاز سمجھنا۔پاکستان ایک عرصے سے عدم رواداری کی لپیٹ میں ہے۔یہ مرض بڑھتا جا رہا ہے اور دوسرے علاقوں اور لوگوں کو بھی غیر محسوس طور پر اپنی گرفت میں لیتا ہوا نظر آ رہا ہے۔

یہ صورت حال کیوں اور کیسے پیدا ہوئی: آزادی کے فوری بعد ہزاروں قبائلیوں کو کشمیر کی جنگ میں جھونک کر ملک میں انتہا پسندی اور عدم رواداری کی طرف پہلا قدم اٹھایا گیا۔ بھارت کے ساتھ دشمنی تخلیق کی گئی اور ہندو مسلم نفرت کے بیج بوئے گئے جس سے عدم رواداری انتہا پسندی اور عسکریت پسندی کو فروغ حاصل ہوا۔نصابی کتابوں میں ایسے مضامین

شامل کئے گئے جن سے دیگر مذاہب کی تذلیل کی گئی اور اس بات پر زور دیا گیا کہ ہندو اور یہود و نصاریٰ ہمارے دشمن ہیں جو ہمارے خلاف سازش کرتے رہتے ہیں۔ قراردادِ مقاصد کو پاکستان کے آئین میں شامل کر کے پاکستان کا نام مملکت جمہوری پاکستان سے بدل کر اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھ دیا گیا۔ پاکستان کو ایک رضا کارانہ وفاقی ریاست کی بجائے واحدنی اور نظریاتی ریاست بنانے کے لئے کوششیں شروع کر دیں جو آج بھی جاری ہیں۔اس مقصد کے حصول کے لئے ہندستان یا ہندو مخالف جذبات کو ابھارا گیا۔

حل: شہریوں میں بحث مباحثہ جاری رکھا جائے جو آج کل بالکل ختم ہوتا جارہا ہے۔ رواداری کے فروغ کے لئے سیاسی جمہوری کلچر کو پروان چڑھایا جائے۔

میڈیا کے ذریعے ایسے پروگرام، موضوعات اور واقعات کو زیادہ پذیرائی دی جائے جو رواداری اور بھائی چارے کی فضا کو بڑھا دیں۔ تعلیمی نصاب میں رواداری، دوستی، دوسرے مذاہب کے احترام سے متعلق مضامین شامل کئے جائے اور نصاب میں موجودہ ایسی باتیں اور چیزیں جو اقلیتوں کے لئے دل آزاری کا باعث ہیں یا ان سے اقلیتوں کے حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے ان کو نصاب سے نکال دیا جائے۔ کلچر ،ثقافت میں موجود ان چیزوں کو استعمال جائے جو مختلف مذاہب اور طبقات میں امن، محبت، احترام، اور انسان دوستی دیتی ہوں مثلاً سماج کی پرانی تاریخ کے کردار جو سب کے لئے قابل قبول ہوں اور ہیروں کا درجہ رکھتے ہوں جیسے بابا بلّے شاہ، خواجہ غریب نواز، لعل شہباز قلندر، شاہ لطیف، فیض احمد فیض، علامہ اقبال، جگن ناتھ آزاد، ٹیپو سلطان، جھانسی کی رانی اور بھگت سنگھ وغیرہ شامل ہیں۔

میڈیا کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، بدلتے ہوئے رجحانات اور انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار

توصیف احمد خان

آج کے دور میں میڈیا کا کردار بڑا اہم ہو چکا ہے، کسی ملک کی معیشت، دفاعی صلاحیت اور سیاسی استحکام کے ساتھ میڈیا کا آزاد ہونا اس ملک کی سلامتی کیلئے بڑی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ اس وقت دنیا کا سب سے طاقتور ہتھیار میڈیا ہے۔ جس ملک کا میڈیا جتنا آزاد اور طاقتور ہوگا وہ ملک اتنا ہی مضبوط ہوگا۔ اس وقت دنیا بھر میں میڈیا پر جو بھی کام ہو رہا ہے ہم اس کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں تفریح، حالات حاضرہ اور تربیتی امور۔ ایک ترقی یافتہ تعلیم یافتہ اور باشعور معاشرے کی تشکیل تب ہی ممکن ہے جب میڈیا ان تینوں شعبہ جات میں توازن قائم کرے، ہر حصہ کو اس کی ضرورت اور اہمیت کے مطابق وقت اور توجہ دی جائے۔ صد افسوس کہ وطن عزیز میں میڈیا صرف تفریح کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ پاکستان شاید دنیا کا واحد ملک ہے جہاں تفریح کی کوئی حد مقرر نہیں۔ دہشت ہی دہشت نظر آرہی ہوتی ہے۔ میڈیا کی ناقص تربیت ہے کہ قوم بے مقصد تفریح کے بخار میں مبتلا ہے جبکہ تعلیم جیسا شعبہ زبوں حالی کا شکار ہے۔ پاکستان میں پرنٹ میڈیا ایک مضبوط حیثیت کا مالک ہے۔ یہاں سینکڑوں کی تعداد میں روزنامے، ہفتہ روزہ رسائل اور ماہانہ جرائد زیادہ فروخت ہیں جن میں رومانوی

آج کے دور میں میڈیا کا کردار بڑا اہم ہو چکا ہے، کسی ملک کی معیشت، دفاعی صلاحیت اور سیاسی استحکام کے ساتھ میڈیا کا آزاد ہونا اس ملک کی سلامتی کیلئے بڑی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ اس وقت دنیا کا سب سے طاقتور ہتھیار میڈیا ہے۔ جس ملک کا میڈیا جتنا آزاد اور طاقتور ہوگا وہ ملک اتنا ہی مضبوط ہوگا۔ اس وقت دنیا بھر میں میڈیا پر جو بھی کام ہو رہا ہے ہم اس کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں تفریح، حالات حاضرہ اور تربیتی امور۔ ایک ترقی یافتہ تعلیم یافتہ اور باشعور معاشرے کی تشکیل تب ہی ممکن ہے جب میڈیا ان تینوں شعبہ جات میں توازن قائم کرے، ہر حصہ کو اس کی ضرورت اور اہمیت کے مطابق وقت اور توجہ دی جائے۔ صد افسوس کہ وطن عزیز میں میڈیا صرف تفریح کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔

داستانوں اور پر تجسس کہانیوں کا غلبہ ہے۔ اخبارات کے جرائد میں برائے نام سائنس وٹیکنالوجی اور تعلیم کے صفحات کا پیٹ بھرنے کیلئے جو کچھ شائع ہوتا ہے، اس کا اسلوب دیکھ کر اظہار افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔ قوم کو مژدہ سنایا جاتا ہے کہ ہمارے چینلز پر بے لگام تفریح پیش کی جاتی ہے۔ ہمارے پاس سہولت تو ہے مگر اس کے مثبت استعمال کا شعور نہیں ہے۔

شرکاء کی رائے: ورکشاپ کے اختتام پر شرکاء کو سرٹیفکیٹ تقسیم کئے گئے اور گروپ فوٹو لی گئی۔ شرکاء نے ایچ آر سی پی کی ایسی تربیتی ورکشاپ کو سراہا جس میں انہیں اپنے حقوق کی آگاہی ملی۔ جس کی مدد سے انہیں اپنے حقوق حاصل کرنے کی روشنی نصیب ہوئی۔ شرکاء نے عہد کیا کہ اس پیغام کو وہ اپنی کمیونٹی، محلے تک ضرور پہنچائینگے۔

ملیر/کراچی 29,28 نومبر 2015ء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی جانب سے ''انتہا پسندی کے خاتمے اور انسانیت دوست اقدار'' کے فروغ کے عنوان سے 28-29 نومبر 2015ء کو ملیر کراچی میں دو روزہ تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا جس میں جن موضوعات پر تربیت کاروں نے لیکچر دیئے ان میں حقوق کے فروغ حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار، انتہا پسندی کے انسداد میں ادب، ادیب اور دانشوروں کا کردار، انتہا پسندی کیا ہے، اس کی مختلف اقسام اور ہماری زندگیوں پر اثرات اور اس کے لیے لائحہ عمل، میڈیا کیا ہے، اس کے مختلف اقسام، بدلتے ہوئے رجحانات اور انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار شامل تھے۔ سہولت کاروں میں پروگرام آفیسر حفیظ بزدار، ریجنل کوآرڈینیٹر جمیلہ منگی، ضلع کوآرڈینیٹر شفیع محمد سیال، گل محمد کلمتی، اور توصیف احمد شامل تھے اور تربیتی ورکشاپ میں شریک ہونے والے شرکاء میں ضلع ملیر کے مختلف علاقوں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے چھ خواتین سمیت 39 لوگوں نے شرکت کی۔ تربیتی ورکشاپ کے دوران شرکاء کو دستاویزی فلمیں دکھائی گئیں۔ ایچ آر سی پی پر بنی ویڈیو ڈاکومنٹری جن میں، ہم انسان۔۔لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر شامل ہیں دیکھائی گئی جنہیں شرکاء نے بے حد پسند کیا۔ ورکشاپ کے دوران گروپ ورک کے ذریعے ملیر میں انسانی حقوق کی صورتحال کا ایک جائزہ بھی لیا گیا جس میں شرکاء نے اپنے اپنے رائے کا اظہار کیا۔

ورکشاپ کے اغراض ومقاصد

پروگرام آفیسر حفیظ بزدار

اس ورکشاپ میں شرکت کرنے پر ایچ آر سی پی آپ سب کا شکر گزار ہے۔ اس ورکشاپ کا مقصد پاکستان کو درپیش مسائل کا تجزیہ کرنا ہے تاکہ ان مسائل کا ممکنہ حل تلاش کیا جا سکے۔ اس وقت پاکستان کو درپیش سب سے سنگین مسئلہ انتہا پسندی ہے جو دیمک کی طرح ہمارے ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ ایچ آر سی پی نے پاکستان کے اضلاع اور تحصیل لیول پر تربیتی نشستوں کے منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ تیزی سے بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کے اثرات سے بچا جا سکے جو ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے مہلک ہے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی نے انسانی حقوق کی پامالی اور مذہبی اختلافات میں اضافہ کر دیا ہے۔ ہمیں اس وقت رواداری اور برداشت جیسے تصورات کو فروغ دینا چاہیے۔

حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

حفیظ بزدار

سب سے پہلے ہمیں اپنے حقوق کا علم ہونا چاہیے کہ آئین کے تحت ہمارے کون سے حقوق ہیں اور بالکل ہی اسی طرح ہمیں اس بات کا بھی پتہ ہونا چاہیے کہ ہمارے فرائض کیا ہیں اور اس بات پر غور کرنا بھی اہم ہے کہ ہم اپنے فرائض کس حد تک انجام دے رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے ہمارے فرائض کسی اور کے لیے حق ہوں۔ انسانی حقوق کی حرمت اور انسانی بقاء کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ جب پہلے انسان نے دوسرے کی زندگی کا حق تسلیم کیا تھا یہ انسانی حقوق کی تحریک کی طرف پہلہ قدم تھا۔ 10 دسمبر 1948ء کو انسانی حقوق کا چارٹر سامنے آیا جس میں تمام انسانوں کے حقوق کو برابری ملی ہے ۔انسانی حقوق کے عالمی منشور کو سامنے رکھ کر پاکستان کا آئین بنایا گیا تھا تا کہ اس منشور کے مطابق عمل درآمد کیا جائے اور لوگوں کو ان کے حقوق فراہم کئے جائیں۔ ترقی یافتہ ممالک کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ان معاشروں کی حالت بھی چند صدیاں پہلے ہمارے معاشرے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ مختلف تنظیموں نے اپنے اپنے حقوق کی بقاء کے لیے کوششیں کیں اور ایک مضبوط اور متحرک سوسائٹی کا وجود عمل میں آیا جس نے حقوق کی تحریک کو نہ صرف کامیاب کیا بلکہ رواں دواں رکھا۔ کسی بھی معاشرے میں حقوق کے فروغ اور حقوق کے حصول کے لیے سول سوسائٹی کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔

انتہا پسندی کے انسداد میں ادب، ادیب اور دانشوروں کا کردار

گل حسن کلمتی

ہر معاشرے کا ایک خاص ضابطہ اخلاق ہوتا ہے اور اس اخلاقی ضابطے میں اچھے برے کا ایک واضع تصور موجود ہوتا ہے۔ گناہ اور ثواب کی بات نیکی اور بدی کا اخلاقی فلسفہ اچھے برے کی تمیز بتاتا ہے۔ ہم اب ذی شعور انسان ہیں اور جانتے ہیں کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے۔ اپنی ثقافت کے اندر سب اس کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ ہماری ثقافت اخلاقی اقدار سے ہم آہنگ ہے۔ ادب، آرٹ شاعری اور مصوری میں ایک گہرا اثر اور تاثر ہوتا ہے۔ مصوری خاموش رنگوں کو زباں دیتی ہے۔ تصویر تو بول نہیں سکتی لیکن آپ شاہکار کو دیکھ کر اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ انتہا پسندی کا رویہ ہمارے ذاتی غصے اور پسند ناپسند سے نکلتا ہے جو ہم کو انتہا تک لے جاتا ہے، لیکن ادب،،اور فنون لطیفہ ہمیں برداشت، جمالیات اور انسانی جبلت کے بارے میں بہت کچھ حسین انداز میں سکھاتا ہے۔ انتہا پسند رویہ انسانی جنونیت پر ختم ہوتا ہے جس سے ہمیں پرہیز کرنا ہوگا۔ ایک دوسرے سے میانہ روی سے پیش آنا چاہئے۔ انتہا پسند رویے کے خاتمے میں ادب اور دانشوروں کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔

انتہا پسندی کیا ہے، اس کی مختلف اقسام اور ہماری زندگیوں پر اثرات اور اس کے لئے لائحہ عمل

حفیظ بزدار

انتہا پسندی ایک ذہنی روّیہ ہے جو مسائل کے غیر موزوں حل کے حصول کے لئے آمادہ کرتی ہے۔ کسی بھی معاملے میں ابتدا سے انتہا تک اس طرح رائے رکھنا کہ اس میں واپسی کی، درمیانے راستے کی، مفاہمت کی یا ترمیم کی کوئی گنجائش باقی نہ ہو تو اسے انتہا پسندی کہتے ہیں۔ انتہا پسندی کا سب سے زیادہ نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس سے مثبت سوچ پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ انسان مثبت سوچ سے محروم ہو جاتا اور عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ انسان جب مثبت سے منفی سوچ کا حامی ہو جائے تو تباہی و بربادی یقینی ہوتی ہے۔ انتہا پسندی کی چند اقسام میں مذہبی انتہا پسندی، سیاسی انتہا پسندی، سماجی انتہا پسندی، معاشی انتہا پسندی اور معاشرتی انتہا پسندی شامل ہیں۔

پاکستان کے لیے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ انتہا پسندی ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ فکر و خیال اور زبان و قلم سے آگے اب یہ قتل و غارت اور دہشت گردی کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ سیاست، معیشت اور معاشرہ ہر چیز انتہا پسندی کی زد میں ہے اور ہزاروں، بچے، بوڑھے اور نوجوان اس کی نذر ہو چکے ہیں۔ ہمارا معاشرہ انتہا پسندی کا شکار ہے اور معاف کرنے کی صلاحیت اس نے مکمل طور پر کھودی ہے۔ انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے ہمیں تعلیم اور شعور سے انتہا پسندی اور شدت پسندی جیسے روّیوں کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ ملک کی ترقی اور خوشحالی کے راستے کا سب سے بڑا پتھر اور رکاوٹ انتہا پسندی ہے۔ اس کا خاتمہ کرنا ہوگا اسکے ساتھ ساتھ ہمیں رواداری اور برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرنا ہوگا۔

میڈیا کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، بدلتے ہوئے رجحانات اور انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار

توصیف احمد خان

آج کے دور میں میڈیا کا کردار بڑا اہم ہو چکا ہے۔ کسی ملک کی معیشت، دفاعی صلاحیت اور سیاسی استحکام کے ساتھ میڈیا کا آزاد ہونا اس ملک کی سالمیت کیلئے بڑی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ اس وقت دنیا کا سب سے طاقتور ہتھیار میڈیا ہے۔ کسی ملک کی میڈیا جتنا آزاد اور طاقتور ہوگا وہ ملک اتنا ہی مضبوط ہوگا۔ اس وقت دنیا بھر میں میڈیا (الیکٹرونک اور پرنٹ) پر جو بھی کام ہو رہا ہے ہم اس کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ میڈیا کے تین خاص مقاصد ہیں۔ اولاً تفریح کے لئے میڈیا فلمیں ڈرامے، کھیل، مزاحیہ پروگرام اور میوزیکل شوز وغیرہ فراہم کرتا ہے۔ ثانیاً، حالات حاضرہ سے آگاہی کے لئے میڈیا خبریں لوگوں تک پہنچاتا ہے اور ملکی مسائل پر گفتگو کے پروگرام نشر کرتا ہے۔ ثالثاً، میڈیا کے ذمے سائنسی، اخلاقی، اقتصادی، ثقافتی اور مذہبی یا تربیت جیسے اہم امور آتے ہیں۔

ایک ترقی یافتہ، تعلیم یافتہ اور باشعور معاشرے کی تشکیل تب ہی ممکن ہے جب میڈیا ان تینوں شعبہ جات میں توازن قائم کرے، ہر حصہ کو اس کی ضرورت اور اہمیت کے مطابق وقت اور توجہ دی جائے۔ لیکن وطن عزیز میں میڈیا صرف تفریح کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ پاکستان شاید دنیا کا واحد ملک ہے جہاں تفریح کی کوئی حد مقرر نہیں۔ غیر ضروری مواد زیادہ دکھایا جا رہا ہے۔ میڈیا کی ناقص تربیت کی وجہ سے قوم بے مقصد تفریح کے بخار میں مبتلا ہے جبکہ تعلیم جیسا شعبہ زبوں حالی کا شکار ہے۔ پاکستان میں پرنٹ میڈیا ایک مضبوط حیثیت کا مالک ہے۔ یہاں سینکڑوں کی تعداد میں اخبارات، ہفتہ روزہ رسائل، ماہانہ جرائد زیادہ فروخت ہوتے ہیں جن میں رومانوی داستانوں اور پر تجسس کہانیوں کا غلبہ ہے۔ اخبارات اور جرائد میں برائے نام سائنس و ٹیکنالوجی اور تعلیم کے صفحات کا پیٹ بھرنے کیلئے جو کچھ شائع ہوتا ہے، اس کا اسلوب دیکھ کر افسوس کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔ یہ حشر ہے پرنٹ میڈیا کا جو ہمارے غلط استعمال کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ قوم کو مژدہ سنایا جاتا ہے کہ ہمارے چینلز پر بے لگام تفریح پیش کی جاتی ہے۔ ہمارے پاس سہولت تو ہے مگر اس کے مثبت استعمال کا شعور نہیں ہے۔

شرکاء کی رائے: ورکشاپ کے اختتام پر شرکاء میں سرٹیفکیٹ تقسیم کئے گئے اور گروپ فوٹو لی گئی۔ تمام شرکاء نے ایچ آر سی پی کی تربیتی ورکشاپ کو سراہا۔ ملیر میں ایسی ورکشاپ کی ضرورت تھی جس میں شرکاء کو اپنے حقوق کی آگاہی ملی اور جس کی مدد سے وہ اپنے حقوق حاصل روشنی سے روشناس ہوئے۔ تمام شرکاء نے عہد کیا کہ وہ اس پیغام کو اپنی کمیونٹی، محلے تک ضرور پہنچائینگے۔

☆☆☆

خودکشی کے واقعات

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہدحق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی گئی رپورٹوں کے مطابق **25** دسمبر سے **16** جنوری تک کے دوران ملک بھر میں **101** افراد نے خودکشی کر لی۔ خودکشی کرنے والوں میں **30** خواتین شامل تھیں۔ اعداد وشمار کے مطابق خودکشی کرنے والوں میں **50** افراد نے گھریلو جھگڑوں ومسائل سے تنگ آ کر اور **12** نے معاشی تنگدستی سے مجبور ہو کر خودکشی کر لی۔ خودکشی کے واقعات میں **27** نے زہر کھا/پی کر، **32** نے خودکو گولی مار کر اور **23** نے گلے میں پھندا ڈال کر جان دے دی۔ خودکشی کے **101** واقعات میں سے صرف **12** واقعات کی ایف آئی آر درج ہوئی۔

تاریخ	نام	جنس		عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
25دسمبر	فیضان	مرد		22برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مارکر	اقبال ٹاؤن، لاہور	۔	روزنامہ جنگ
25دسمبر	شفیق نذیر	مرد		22برس	غیرشادہ شدہ	بے روزگاری سے تنگ آ کر	پھندالے کر	فیض پور، شیخوپورہ	۔	روزنامہ جنگ
25دسمبر	نذیراحمد	مرد		45برس		۔	ٹرین تلے آ کر	چیچہ وطنی	۔	روزنامہ جنگ
25دسمبر	منظوراحمد	مرد		70برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	ملاں والا، قصور	۔	روزنامہ دنیا
25دسمبر	اشفاق	مرد			شادی شدہ	۔	پھندالے کر	شریف پورہ، ملتان	۔	پاکستان ٹائمز
27دسمبر	سلطان انور	مرد			شادی شدہ	۔	خودکو گولی مارکر	گاؤ شالا، ٹوبہ ٹیک سنگھ	۔	روزنامہ ڈان
27دسمبر	امتیاز	مرد			غیرشادی شدہ	۔	ٹرین تلے آ کر	منڈی احمد آباد	۔	روزنامہ جنگ
27دسمبر	شفیق	مرد	۔	۔	۔	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	رحمان ٹاؤن، فیروز والا	۔	روزنامہ جنگ
27دسمبر	شوکت علی	مرد		20برس	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	شاہ نواز کالونی، چنیوٹ	۔	روزنامہ جنگ
27دسمبر	رجب کشکوری	مرد		20برس	غیرشادی شدہ	ذہنی معذوری	پھندالے کر	کنڑی، عمرکوٹ	۔	روزنامہ کاوش
27دسمبر	عبدالرحمان	مرد		27برس	۔	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مارکر	سکرنڈ، نواب شاہ	۔	روزنامہ کاوش
27دسمبر	مسماۃ شمشاد	خاتون	۔	29برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	ضلع سکھر	۔	روزنامہ کاوش
27دسمبر	شمشاد جتوئی	خاتون		29برس	شادی شدہ	۔	پھندالے کر	ایوب گیٹ، سکھر	۔	شاکر جمالی
28دسمبر	رضیہ بی بی	خاتون			شادی شدہ	غربت سے تنگ آ کر	زہرخورانی	پنڈی بھٹیاں	۔	روزنامہ جنگ
29دسمبر	صدیق	مرد		16برس	غیرشادی شدہ	ذہنی معذوری	خودکو گولی مارکر	لنڈی کوتل، خیبرایجنسی	۔	روزنامہ دی نیشن
29جنوری	فائزہ لاشاری	خاتون	۔	18برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مارکر	سیتاروڈ، دادو	۔	روزنامہ کاوش
29جنوری	کرموں کولہی	مرد		23برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	کنڑی، عمرکوٹ	۔	روزنامہ کاوش
29دسمبر	فہیم	مرد		17برس	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خودکو جلا کر	میر سراج دین، بہاولپور	۔	روزنامہ ڈان
29دسمبر	اجمل	مرد	۔			گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	بجلی کے تار چھوکر	چک 27 شمالی، سرگودھا	۔	روزنامہ جنگ
30دسمبر	۔	خاتون		15برس	غیرشادی شدہ		چھت سے کودکر	گرجاکھ، گجرانوالا		روزنامہ خبریں
31دسمبر	ساجد	مرد	۔	۔	۔	۔	خودکو گولی مارکر	گاؤں سربند، پشاور	درج	روزنامہ آج
یکم جنوری	نصیراحمد کھچی	مرد		15برس	غیرشادی شدہ	۔	خودکو گولی مارکر	نزدوگن، قمبر	۔	روزنامہ کاوش
یکم جنوری	آصف خان	مرد			غیرشادی شدہ	۔	خودکو گولی مارکر	شمس کالونی، اسلام آباد	۔	روزنامہ نوائے وقت
یکم جنوری	نوید یونس	مرد			غیرشادی شدہ	۔	خودکو گولی مارکر	زرعی ترقیاتی بنک، اوکاڑہ	۔	روزنامہ نئی بات
یکم جنوری	کنزہ	خاتون		22برس	غیرشادی شدہ	۔	خودکو گولی مارکر	ڈھولن وال، شیراکوٹ، لاہور	۔	روزنامہ نئی بات
یکم جنوری	ضیاء حسین	مرد			غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	موضع منکھیر شریف، چشتیاں	۔	روزنامہ جنگ
یکم جنوری	محمد عارف	مرد				۔	خودکو گولی مارکر	موضع پلاہ گراں، کوٹلہ ارب علی خان، کھاریاں	۔	روزنامہ جنگ
2جنوری	سکندرڈیتھو	مرد	۔	23برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	۔	نیوسعید آباد، ضلع دادو	۔	روزنامہ کاوش
2جنوری	واحد سولنگی	مرد	۔	23برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مارکر	پھلجی اسٹیشن، ضلع دادو	۔	روزنامہ کاوش
2جنوری	احمد	مرد	۔	۔	۔	۔	خودکو گولی مارکر	گاؤں چگر منڈان، بنوں	درج	روزنامہ آج

تاریخ	نام	جنس		عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
2جنوری	مسماۃ راسیہ بی بی	خاتون		18برس	-	-	خودکوگولی مارکر	صدر،ضلع بنوں	درج	روزنامہ آج
2جنوری	زینت شیخ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	فیضو،شکارپور	-	روزنامہ کاوش
2جنوری	واجد علی	مرد	-	24برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	گاؤں قاضی،دادو	-	کراچی ڈان
2جنوری	نازیہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	دریا میں کودکر	ریلوے کالونی،بہاول نگر	-	روزنامہ نوائے وقت
2جنوری	صوفیہ	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	مظفرشاہ،ساہیوال	درج	روزنامہ دنیا
2جنوری	نیازعلی	مرد	-	27برس	-	گھریلو جھگڑا	پھندا لےکر	کراچی	درج	روزنامہ دنیا
2جنوری	شکیل	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	-	خودکوگولی مارکر	گلشن اقبال،کراچی	درج	روزنامہ دنیا
3جنوری	مسرت بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پوڑی گیٹ،بنوں	درج	ایکسپریس
3جنوری	اسلم بوہڑ	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خودکوگولی مارکر	اللہ آباد کالونی،لاڑکانہ	-	روزنامہ کاوش
3جنوری	حسن	مرد	-	14برس	غیرشادی شدہ	دوستوں سے جھگڑا	زہرخورانی	مرالی والا،گجرانوالا	-	روزنامہ جنگ
3جنوری	اقرار	مرد	-	22برس	غیرشادی شدہ	بےروزگاری سے تنگ آکر	ٹرین تلے آکر	بادامی باغ،لاہور	-	روزنامہ جنگ
3جنوری	عنصرعباس	مرد	-	-	شادی شدہ	بےروزگاری سے تنگ آکر	پھندا لےکر	منڈی شاہ جیونہ	-	روزنامہ جنگ
3جنوری	ع	خاتون	-	17برس	غیرشادی شدہ	ذہنی معذوری	خودکوگولی مارکر	چک نمبر 5ٹی ڈی اے،قائدآباد	-	روزنامہ نئی بات
4جنوری	فرزانہ	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فریدٹاؤن،ساہیوال	-	روزنامہ جنگ
4جنوری	جاوید	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	73ایل،ساہیوال	-	روزنامہ جنگ
4جنوری	ارشد	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	145/9ایل،ساہیوال	-	روزنامہ جنگ
4جنوری	شبیراں بی بی	خاتون	-	17برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	راجن پورکلاں،رحیم یارخان	-	روزنامہ دنیا
4جنوری	نسیماں مائی	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چوک شہباز،رحیم یارخان	-	روزنامہ دنیا
4جنوری	حراشہزادی	خاتون	-	24برس	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	چک 49 گ ب،گوجرہ	-	روزنامہ نوائے وقت
5جنوری	فرہاد	مرد	-	-	شادی شدہ	-	خودکوگولی مارکر	مدینہ کالونی،پشاور	درج	روزنامہ آج
5جنوری	اقبال بانو	خاتون	-	-	شادی شدہ	-	خودکوگولی مارکر	وڈاسمنگ،خیرپورمیرس	-	روزنامہ کاوش
5جنوری	فرزانہ بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لےکر	گاؤں مچھوڑا سارنگ،ننکانہ صاحب	-	روزنامہ جنگ
5جنوری	ر	خاتون	-	-	شادی شدہ	-	زہرخورانی	سرائے عالمگیر	-	روزنامہ جنگ
6جنوری	غلام شبیر	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	121/1ایل،رحیم یارخان	-	روزنامہ دنیا
6 جنوری	گل شیرلاشاری	مرد	-	45برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لےکر	گوٹھ عبدالکریم،نواب شاہ	-	روزنامہ کاوش
6جنوری	وقاص	مرد	-	22برس	غیرشادی شدہ	-	پھندا لےکر	وحدت کالونی،لاہور	-	روزنامہ ڈان
7جنوری	منیراحمد	مرد	-	25برس	شادی شدہ	قرض سے تنگ آکر	زہرخورانی	شیراکوٹ،لاہور	-	روزنامہ جنگ
7جنوری	عاطف	مرد	-	20برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	کنوئیں میں کودکر	گاؤں دندی دارہ،سرائے عالمگیر	-	روزنامہ جنگ
8جنوری	لاکاڈینو	مرد	-	50برس	شادی شدہ	-	پھندا لےکر	ماتلی،بدین	-	روزنامہ کاوش
8جنوری	میاں عبدالسمیع	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	پھندا لےکر	ڈہرکی،گھوٹکی	-	روزنامہ کاوش
8جنوری	سمیعہ	خاتون	-	23برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لےکر	محلہ قادرآباد،شاہ کوٹ	-	روزنامہ جنگ
8جنوری	تنویر	مرد	-	30برس	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	ٹرین تلے آکر	منظورآباد،منڈی بہاؤالدین	-	روزنامہ جنگ
8جنوری	فہد	بچہ	-	10برس	غیرشادی شدہ	والدین سے پیسے نہ ملنے پر	پھندا لےکر	جلالپورپیروالا،ملتان	-	روزنامہ نوائے وقت
9جنوری	ظفرعباس	مرد	-	30برس	شادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لےکر	چک کچہ،جھنگ	-	روزنامہ نئی بات
9جنوری	پروین	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	موضع بھگت،ڈسکہ	-	روزنامہ نئی بات
9جنوری	رمضان	مرد	-	25برس	غیرشادی شدہ	بےروزگاری سے تنگ آکر	خودکوگولی مارکر	مناواں،لاہور	-	روزنامہ خبریں

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
10 جنوری	محمد ارسلان	مرد	20 برس	غیر شادی شدہ	گھر والوں سے رقم نہ ملنے پر	زہر خورانی	محلّہ پرانی آبکاری، بھیرہ	-	روزنامہ دنیا
10 جنوری	شفقت	مرد	21 برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	محلّہ حاجی پورہ، سکھیکی	-	روزنامہ دنیا
10 جنوری	سجاد سموں	مرد	19 برس	غیر شادی شدہ	بے روزگاری سے تنگ آ کر	-	ضلع ٹھٹھہ	-	روزنامہ کاوش
10 جنوری	محمد سلیم	مرد	-	شادی شدہ	معاشی حالات سے تنگ آ کر	ٹرین تلے آ کر	طارق کالونی، ماموں کانجن	-	روزنامہ دنیا
11 جنوری	خورشید میر بحر	مرد	16 برس	غیر شادی شدہ	والدین کی موت پر دلبرداشتہ	پھندا لے کر	صالح پٹ، سکھر	-	روزنامہ کاوش
11 جنوری	ابرار جتوئی	مرد	17 برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	ضلع لاڑکانہ	-	روزنامہ کاوش
11 جنوری	اصغر گندو	مرد	19 برس	غیر شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ	-	گوٹھ اللہ بخش گندو، ضلع ٹھٹھہ	-	روزنامہ کاوش
11 جنوری	ابرار جتوئی	مرد	17 برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	پیر شیر، لاڑکانہ	-	روزنامہ کاوش
11 جنوری	زین العابدین	مرد	-	غیر شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	باچا خیل، بڈھ بیر، پشاور	درج	روزنامہ آج
11 جنوری	خورشید میر بحر	مرد	16 برس	غیر شادی شدہ	غربت سے تنگ آ کر	پھندا لے کر	شیر وجا، حالج پٹ، سکھر	-	روزنامہ کاوش
11 جنوری	-	خاتون	17 برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	سردار گڑھ، رحیم یار خان	-	ایکسپریس ٹریبیون
11 جنوری	-	مرد	32 برس	-	گھریلو جھگڑا	ٹرین تلے آ کر	سلطان پور، رحیم یار خان	-	ایکسپریس ٹریبیون
11 جنوری	-	خاتون	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو جلا کر	شالیمار، لاہور	-	روزنامہ نیوز
11 جنوری	شگفتہ بی بی	خاتون	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	محلّہ مغل پورہ، ڈسکہ	-	روزنامہ نئی بات
11 جنوری	عابدہ	خاتون	16 برس	غیر شادی شدہ	-	زہر خورانی	سیڑھی ثمر باغ، دیر لوئر	-	روزنامہ نئی بات
11 جنوری	اکبر	مرد	-	-	بے روزگاری سے تنگ آ کر	خود کو جلا کر	تھانہ ہیڈ مرالہ، سیالکوٹ	-	روزنامہ نوائے وقت
12 جنوری	عبداللہ پر بیاڑ	مرد	35 برس	شادی شدہ	-	زہر خورانی	میر پور بٹھورو، ضلع ٹھٹھہ	-	روزنامہ کاوش
12 جنوری	غلام عباس	مرد	47 برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	مدیجی، ضلع لاڑکانہ	-	روزنامہ کاوش
13 جنوری	نثار احمد	مرد	25 برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	مدیجی، لاڑکانہ	-	روزنامہ کاوش
13 جنوری	نذیر احمد چانڈیو	مرد	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	-	غریب آباد، ضلع جامشورو	-	روزنامہ کاوش
12 جنوری	غلام عباس شیخ	مرد	47 برس	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	گوٹھ جاگیر شیخ، مدیجی، شکار پور	-	روزنامہ کاوش
13 جنوری	حسن	مرد	20 برس	غیر شادی شدہ	-	زہر خورانی	گجیانہ بھٹیاں، شیخوپورہ	-	روزنامہ جنگ
13 جنوری	سجاد	مرد	22 برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	الاعوان ٹاؤن، جوہر آباد	-	روزنامہ جنگ
13 جنوری	صائمہ بی بی	خاتون	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	چک 671/12 گ ب، پیر محل	-	روزنامہ نئی بات
13 جنوری	کلیم شاہ	مرد	-	-	ذہنی معذوری	خود کو گولی مار کر	کوتر پایان، چارسدہ، چارسدہ	درج	روزنامہ ایکسپریس
13 جنوری	گلشن بی بی	خاتون	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	سمانہ پل، سرگودھا روڈ، فیصل آباد	-	روزنامہ نئی بات
14 جنوری	سخوان انڈھڑ	مرد	-	-	-	خود کو گولی مار کر	گوٹھ نظر انڈھڑ، گھوٹکی	-	روزنامہ کاوش
14 جنوری	محمد عامر	مرد	25 برس	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خود کو گولی مار کر	اعوان والا، فیصل آباد		پاکستان ٹائمز
15 جنوری	مسعود احمد	مرد	16 برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گوٹھ کوڑو خان خشک، نوشہرو فیروز	-	روزنامہ کاوش
15 جنوری	وزیر علی بروہی	مرد	17 برس	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	بروہی محلّہ، قمبر	-	روزنامہ کاوش
15 جنوری	چودھری عثمان	مرد	-	شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	ڈیرہ خور شید، شیخوپورہ	-	روزنامہ نوائے وقت
15 جنوری	فرزانہ بی بی	خاتون	-	شادی شدہ	-	زہر خورانی	مراکیوال، سیالکوٹ	-	روزنامہ نوائے وقت
15 جنوری	مسماۃ لبنیٰ	خاتون	-	-	-	زہر خورانی	مرغزار، بینگورہ، سوات	درج	روزنامہ آج
15 جنوری	ہیبت	مرد		غیر شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	تھانہ پائی خیل، میانوالی	-	روزنامہ نوائے وقت
16 جنوری	مسماۃ انیلہ	خاتون	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	پیر سباق، رسالپور، مردان	درج	روزنامہ آج

جنسی تشدد کے واقعات:

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہد حق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 25 دسمبر سے 24 جنوری تک 71 افراد کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ جنسی زیادتی کا شکار ہونے والوں میں 46 خواتین شامل ہیں۔ 26 واقعات کے مقدمات درج کیے گئے اور 7 واقعات میں ملوث افراد گرفتار ہوئے۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
27دسمبر	۔	خاتون	14برس	غیرشادی شدہ	۔	اہل علاقہ	مال روڈ، لاہور	درج	گرفتار	نئی بات
28دسمبر	سبحان	بچہ	8برس	غیرشادی شدہ	عامر، ارسلان	اہل علاقہ	گاؤں گڑھی ملیاں، پسرور	درج	گرفتار	خبریں
28دسمبر	۔	خاتون		غیرشادی شدہ	۔	اہل علاقہ	منصور آباد، فیصل آباد	درج	۔	خبریں
28دسمبر	احمد	بچہ	4برس	غیرشادی شدہ	۔	اہل علاقہ	ہڑپہ، ساہیوال	درج	۔	ڈان
31دسمبر	ش	خاتون	۔	شادی شدہ	جاوید	اہل علاقہ	گاؤں بوریاں والا، خانقاہ ڈوگراں	۔	۔	نوائے وقت
31دسمبر	آفاق	مرد		غیرشادی شدہ	۔	اہل علاقہ	راوی پارک، شیخوپورہ	۔	۔	نوائے وقت
31دسمبر	ش	خاتون	۔	شادی شدہ	ظفر	اہل علاقہ	پرانی منڈی پتوکی، قصور	درج	۔	ایکسپریس
31دسمبر	۔	خاتون		شادی شدہ	اشفاق	اہل علاقہ	ننکانہ صاحب	درج	۔	ایکسپریس
یکم جنوری	ص	خاتون		شادی شدہ	حنیف	اہل علاقہ	جمال ٹاؤن، کوٹ عبدالمالک	۔	۔	نوائے وقت
یکم جنوری	م۔ب	خاتون	۔	۔	سمیع	اہل علاقہ	چک 219 گ ب، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
یکم جنوری	۔	خاتون		غیرشادی شدہ	خالد	اہل علاقہ	چک 308 ج ب، گوجرہ	۔	۔	نوائے وقت
☆2جنوری	(ن)	خاتون	۔	۔	صداقت کریم	اہل علاقہ	خزانہ سجگی روڈ، پشاور	درج	۔	آج
2جنوری	مدثر	بچہ	9برس		عظیم، عمران	اہل علاقہ	بھوئے آصل، چھانگا مانگا	درج	۔	ایکسپریس
2جنوری	اسامہ	بچہ	11برس	۔	عظیم، عمران	اہل علاقہ	بھوئے آصل، چھانگا مانگا	درج	۔	ایکسپریس
2جنوری	۔	بچہ	6برس	۔	۔	اہل علاقہ	ملک پارک، فیروز والا	درج	گرفتار	نوائے وقت
3جنوری	مصحف	بچہ	۔	غیرشادی شدہ	عبدالمجید	اہل علاقہ	سٹیل باغ، قصور	درج	۔	خبریں
3جنوری	س	خاتون		غیرشادی شدہ	رضوان	اہل علاقہ	بونگہ حیات، پاکپتن	۔	۔	نوائے وقت
4جنوری	ع	خاتون		شادی شدہ	آصف، ساتھی	اہل علاقہ	607 گ ب، فیصل آباد			نوائے وقت
4جنوری	عبدالحسن	بچہ		غیرشادی شدہ	اویس	اہل علاقہ	594 گ ب، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
4جنوری	سجاد	بچہ		غیرشادی شدہ	عثمان، ساتھی	اہل علاقہ	چک نمبر 210 گ ب، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
4جنوری	الف	خاتون		شادی شدہ	جمیل	دیور	گاؤں روڈے، قصور	۔	۔	نوائے وقت
4جنوری	۔	بچہ	6برس	غیرشادی شدہ	ارشد	اہل علاقہ	جھامکے، شیخوپورہ	۔	۔	نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن / اخبار
4 جنوری	۔	بچہ		غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	محلّہ کنڈر پوریاں، شیخوپورہ	۔	۔	نوائے وقت
4 جنوری	ش ب	خاتون	۔	۔	قاسم علی، ساتھی	اہل علاقہ	76/5 ایل، ساہیوال	۔	۔	نوائے وقت
4 جنوری	ع	بچہ	12 برس	غیر شادی شدہ	خرم	رشتے دار	موضع داؤ کے خورد، ڈسکہ	۔	۔	نوائے وقت
4 جنوری	۔	بچہ	7 برس	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	خان پور بگا شیر، مظفر گڑھ	درج	۔	خبریں
6 جنوری	ن	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	چک نمبر 21، سیدوالا	۔	۔	نوائے وقت
7 جنوری	اللہ رکھا	بچہ	۔	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	موضع سوڈا بستی، چشتیاں	۔	۔	خبریں
8 جنوری	ف	خاتون		غیر شادی شدہ	عابد منظور	اہل علاقہ	کھوکھر چک 25، حبیب آباد	۔	۔	نوائے وقت
8 جنوری	۔	بچہ	13 برس	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
8 جنوری	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
9 جنوری	۔	خاتون		غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	خانیوال	درج	۔	مشرق
10 جنوری	ع	خاتون		۔	ندیم، ساتھی	اہل علاقہ	ساندل بار، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
10 جنوری	بلال احمد	بچہ		غیر شادی شدہ	ارشد	اہل علاقہ	گاؤں 28/1 ایل، رینالہ خورد	۔	۔	نوائے وقت
10 جنوری	۔	بچی	11 برس	غیر شادی شدہ	فقیر محمد	اہل علاقہ	ملت ٹاؤن، فیصل آباد	درج	۔	ایکسپریس ٹریبیون
10 جنوری	ع	بچی	۔	غیر شادی شدہ	مقبول احمد	اہل علاقہ	برلاسکھاں والا، شرقپور	درج	گرفتار	خبریں
10 جنوری	۔	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	غلام شبیر	اہل علاقہ	مظفر گڑھ	۔	۔	پاکستان ٹائمز
11 جنوری	ف	خاتون	22 برس	غیر شادی شدہ	عاصم	اہل علاقہ	ڈھاکے، شرقپور	۔	۔	نوائے وقت
11 جنوری	ع	خاتون	۔	شادی شدہ	نصیر	اہل علاقہ	گاؤں 4 رسالہ، شیخوپورہ	درج	۔	نوائے وقت
11 جنوری	حارث	بچہ	6 برس	غیر شادی شدہ	ارسلان	اہل علاقہ	351 ای بی، عارف والا	۔	۔	نوائے وقت
11 جنوری		بچہ	10 برس	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	نزد رفاہ ملز، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
11 جنوری	آکاش	بچہ	۔	غیر شادی شدہ	مقبول	اہل علاقہ	102 ج ب، چک جھمرہ، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
11 جنوری	۔	خاتون	24 برس	۔	۔	اہل علاقہ	بی آر بی نہر، باٹا پور، لاہور	۔		جنگ
11 جنوری	ر	خاتون	۔	۔	۔	اہل علاقہ	اسلام آباد چوک، راولپنڈی	درج	۔	ایکسپریس ٹریبیون
12 جنوری	ب	بچی	۔	غیر شادی شدہ	حفیظ	اہل علاقہ	خان پور، لاہور روڈ، فیروز والا	درج	گرفتار	نوائے وقت
13 جنوری	اظہر علی	بچہ	4 برس	غیر شادی شدہ	حمزہ	اہل علاقہ	گاؤں اٹاری اجیت سنگھ، کوٹ رادھا کشن	۔	۔	دنیا
13 جنوری	ش	خاتون	۔	شادی شدہ	سخاوت، اللہ رکھا	اہل علاقہ	فیصل آباد روڈ، شیخوپورہ	درج	۔	نئی بات

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن / اخبار
14 جنوری	الف	خاتون	8 برس	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	گلوٹیاں، سیالکوٹ	درج	۔	ایکسپریس
14 جنوری	ر	خاتون	18 برس	غیر شادی شدہ	افضال احمد چٹھہ	اہل علاقہ	موضع احمد نگر چٹھہ، وزیر آباد	۔	۔	نوائے وقت
14 جنوری	ب	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	محمد عرفان	اہل علاقہ	موضع بلوشہابل، جھنگ	۔	۔	نوائے وقت
15 جنوری	ع	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	صفدر آباد	درج	گرفتار	ایکسپریس
16 جنوری	عبداللہ	بچہ	10 برس	غیر شادی شدہ	عدنان، ہارون	اہل علاقہ	موضع پیرو چک، ڈسکہ	۔		نوائے وقت
16 جنوری	ت	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	شکیل	اہل علاقہ	گاؤں 49 ایس پی، پاکپتن	۔	۔	نوائے وقت
17 جنوری	۔	بچی	13 برس	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	کراچی	درج	۔	خبریں
18 جنوری	۔	بچہ	4 برس	غیر شادی شدہ	مدثر یعقوب	اہل علاقہ	محلّہ نظام پارک، مرید کے	درج	گرفتار	ایکسپریس
19 جنوری	ر	خاتون	18 برس	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	محلّہ عارف آباد، پاکپتن	۔	۔	نئی بات
19 جنوری	علی شیر	بچہ	6 برس	غیر شادی شدہ	علی حسن	اہل علاقہ	موضع چھنی گوندل، سمبڑیال	درج	۔	نوائے وقت
19 جنوری	الف	خاتون	۔	شادی شدہ	عظیم	اہل علاقہ	گاؤں 160/9 ایل، چیچہ وطنی	۔	۔	نوائے وقت
19 جنوری	س	خاتون	۔	۔	محمد یونس	اہل علاقہ	موضع جنڈاں والا، بھکر	۔	۔	نوائے وقت
20 جنوری	ص	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	عمران، ڈاکٹر مقبول	اہل علاقہ	شیش محل، شیخوپورہ	۔	۔	نوائے وقت
20 جنوری	ک	خاتون	۔	شادی شدہ	عنصر، سکندر، صدی احمد، عمران، عارف	اہل علاقہ	چک 625 گ ب، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
20 جنوری	ع	خاتون	۔	شادی شدہ	انیس الرحمان	اہل علاقہ	ٹوبہ ٹیک سنگھ	۔	۔	نوائے وقت
20 جنوری	ر	خاتون	۔	شادی شدہ	عباس	اہل علاقہ	موضع بھوپال والا، سمبڑیال	۔	۔	نوائے وقت
23 جنوری	ش	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	محمد نذیر	اہل علاقہ	محلّہ رسول پورہ، قصور	درج	۔	دنیا
23 جنوری	س	خاتون	۔	۔	یاسر	اہل علاقہ	نصیر آباد، جڑاں والا، فیصل آباد	درج	۔	دنیا
23 جنوری	غلام قادر	مرد	16 برس	غیر شادی شدہ	نعیم	اہل علاقہ	گاؤں پنواں چک 176، شاہ کوٹ	۔	۔	نوائے وقت
23 جنوری	ر	خاتون	۔	شادی شدہ	عباس انور، ساتھی	اہل علاقہ	چک 6 ج ب، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
23 جنوری	م	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	ندیم، نذیر	اہل علاقہ	چک 10/3 ایل، ہڑپہ	۔	۔	نوائے وقت
24 جنوری	وزیر حسن	بچہ	10 برس	غیر شادی شدہ	عمر وقاص	اہل علاقہ	گاؤں بھمبے، کوٹ رادھا کشن	۔	۔	نوائے وقت
24 جنوری	ی	بچی	12 برس	غیر شادی شدہ	نذر بلوچ	اہل علاقہ	گاؤں 661/2، پیر محل	۔	۔	نوائے وقت
24 جنوری	س ن	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	عرفان	اہل علاقہ	قادر پور بخشا، جھنگ	۔	۔	نوائے وقت

جہدحق پڑھنے والوں کے خطوط

بنیادی سہولیات فراہم کی جائیں

شیرانی ضلع شیرانی کو ضلع کا درجہ ملنے کو تقریباً نو سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ ضلع اب بھی گونا گوں مسائل کا شکار ہے۔ انفراسٹرکچر کا نظام درہم برہم ہے، شیرانی میں سڑکوں کی حالت انتہائی خراب ہے۔ جس کی وجہ سے لوگوں کو آمدورفت میں شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ جبکہ ضلع شیرانی کو 24 گھنٹوں میں صرف 2 گھنٹے بجلی فراہم کی جارہی ہے۔ وہ بھی ژوب کے نزدیک گاؤں کو فراہم کی جارہی ہے۔ جبکہ اکثر علاقوں اور خاص کر دور دراز کے علاقوں کو دو گھنٹے بھی فراہم نہیں۔ جس کی وجہ سے عوام کو شدید تکلیف اور مشکلات کا سامنا ہے، لوگ دور دراز علاقوں سے پانی لانے پر مجبور ہیں۔ عوام نے مطالبہ کیا کہ شیرانی کے لیے الگ گرڈ اسٹیشن کا قیام عمل میں لایا جائے۔ متاثرہ لوگوں نے جہدحق کے نامہ نگار سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ شیرانی شہریوں کو بنیادی سہولیات کی عدم فراہمی نہایت افسوسناک ہے۔ حکومت شہریوں کو سہولیات فراہم کرنے میں بری طرح ناکام ہوچکی ہے۔ (علی خان مندوخیل)

لاپتہ بیٹے کو بازیاب کروایا جائے

پاراچنار پیر قیوم، پاراچنار کے رہائشی مولوی محبّ اللہ نے بتایا کہ ان کا بیٹا عنایت الرحمان گزشتہ دس ماہ سے لاپتہ ہے جس کی وجہ سے پورا خاندان کرب کی حالت سے دوچار ہے اور خاص طور پر اس کی والدہ کی حالت شدید خراب ہے۔ محبّ اللہ کے مطابق عنایت الرحمان کا 4 مارچ 2015ء سے کچھ اتہ پتہ نہیں چل رہا۔ انہوں نے ریاستی حکام اور انسانی حقوق کے اداروں سے اپیل کی کہ ان کے لاپتہ بیٹے کی بازیابی کے لیے ان کی مدد کی جائے۔

(عظمت علی زئی)

بنیادی سہولیات کی فراہمی کا مطالبہ

شہداد کوٹ 19 جنوری کو سول سوسائٹی کی تنظیموں اور سیاسی وسماجی تنظیموں کی طرف شہریوں کو بجلی، گیس، پانی، لوڈشیڈنگ کی عدم فراہمی کے خلاف ایک احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ مظاہرین کے ہاتھوں میں پلے کارڈز اور بینرز تھے جن پر پانی دو، بجلی دو، گیس کی لوڈشیڈنگ بند کرو، جیسے نعرے لکھے ہوئے تھے۔ اس موقع پر مظاہرین نے شہر کا گشت کر کے پریس کلب کے سامنے بھوک ہڑتال کی، جس میں شہریوں نے بھرپور شرکت کی۔ اس موقع پر حاجی غلام حیدر خان کھوسو، ویدا حمد کھوسو، ایچ آر سی پی کے کوآرڈینیٹر ندیم جاوید منگی، سماجی رہنما افتخار حسین منگی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ شہریوں کو بنیادی حقوق سے محروم رکھا گیا ہے، انہوں نے گیس، بجلی اور پانی کی لوڈشیڈنگ اور بندش کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

(ندیم جاوید منگی)

بھٹہ مزدوروں اور پاورلوم مزدوروں کا احتجاج

کمالیہ تفصیلات کے مطابق کمالیہ میں سماجی کارکن کی رہائش گاہ پر بھٹہ مزدوروں کے بچوں کے تحفظ اور ان کے والدین کی مالی معاونت کے حوالے سے ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں بھٹہ مزدور لیبر یونین کے مرکزی رہنما بابا لطیف نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ چائلڈ لیبر قوانین پر عملدرآمد کے لیے حکومت پنجاب عملی اقدامات کرے اور بھٹہ مالکان کے خلاف چائلڈ لیبر قوانین کی خلاف ورزی پر مقدمات درج کرنے کی بجائے بھٹہ مزدوروں کے بچوں کو ماہانہ ہزار روپے اور ان کے والدین کو 2 ہزار روپے دینے کے قانون پر سختی سے عملدرآمد کرائے۔ اس کے علاوہ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ ہر بھٹہ مزدور کی یومیہ اجرت 962 روپے کے اعلان کو ممکن بنایا جائے کیونکہ اس بارے کوئی بھی حکومتی عہدیدار سنجیدہ دکھائی نہیں دے رہا اور اگر ہمارے مطالبات پر فی الفور عملدرآمد کو یقینی نہ بنایا گیا تو 24 جنوری کو کمشنر آفس فیصل آباد کے سامنے دھرنا دیں گے اور آئندہ لاہور کی جانب لانگ مارچ کا اعلان کریں گے۔ تقریب کے بعد سینکڑوں بھٹہ مزدوروں نے بچوں اور خواتین سمیت ریلی نکالی جو کلمہ چوک پہنچ کر اختتام پذیر ہوئی۔

(اعجاز اقبال)

نادرا سنٹر قائم کئے جائیں

چمن چمن شہر میں بارہ لاکھ نفوس کی آبادی رہائش پذیر ہے۔ جبکہ ان کے لیے صرف ایک ہی نادرا دفتر ہے۔ جس میں لوگوں کو ہفتوں بعد ٹوکن ملتا اور مہینوں تک شناختی کارڈز نہیں ملتے۔ جہدحق کی وساطت سے حکومت سے اپیل ہے کہ چمن شہر میں مزید دو نادرا سنٹرز قائم کئے جائیں تاکہ عوام کو شناختی کارڈز کے حصول میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

(محمد صدیق)

پاسپورٹ دفتر کے قیام کا مطالبہ

چمن بلوچستان کا دوسرا بڑا شہر چمن جو کہ 12 لاکھ سے زائد نفوس کی آبادی پر مشتمل شہر ہے۔ تاحال پاسپورٹ آفس کی سہولت سے محروم ہے۔ حکومت نے کئی بار وعدہ کیا کہ وہ جلد از جلد چمن میں پاسپورٹ آفس قائم کریں گے۔ لیکن تاحال کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا گیا۔ ہم جہدحق کی وساطت سے حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ چمن شہر میں جلد از جلد پاسپورٹ آفس قائم کر کے عوام کے اس دیرینہ مطالبہ کو پورا کیا جائے۔

(محمد صدیق)

پانی کی قلت کا مسئلہ

واشک واشک شہر کے شہریوں کو پینے کے صاف پانی کی قلت کا مسئلہ درپیش ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے متعدد احتجاجی مظاہرے بھی کئے گئے مگر کسی نے نوٹس نہیں لیا۔ ٹینکرز کے ذریعے پانی کی فراہمی کا بھی کوئی بندوبست نہیں جس سے لوگ مستفید ہوسکیں۔ شہریوں کی اعلیٰ حکام سے پرزور اپیل ہے کہ انہیں پینے کے پانی کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کئے جائیں۔ (نیاز علی بلوچ)

Condemnations galore

The attack has been followed by strong condemnation and calls for reassessing the counter-terrorism strategy.

While strongly condemning the Charsadda terrorist attack the Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) has called for a critical reappraisal of the operations against terrorists and a more stringent implementation of the National Action Plan (NAP), especially the agenda for dealing with centres and organizations responsible for the training of and assistance to terrorist groups.

In a statement HRCP expressed its grief at the terrorist attack on the Bacha Khan University in Charsadda and conveyed its condolences to the families of the innocent persons, 18 of them young students, who were gunned down by the raiders.

'Pakistan will invite greater perils if the lessons of the latest wave of terrorism are not heeded. The fact that Awami National Party (ANP) is under extremists' attack should not make other political parties complacent. Their turn might also come and perhaps sooner than expected.'

"The incident should be most vigorously condemned for several reasons. First, as in the case of the attack on the Army Public School in Peshawar, the terrorists targeted students, that is, the future of Pakistan, and that shows what great enemies of Pakistani people they are. Secondly, this is the third major incident of terrorism within as many weeks and it confirms that the terrorists still enjoy the freedom to attack wherever they wish. And, thirdly, this incident should be taken as a continuation of the war the terrorists have been waging against the Awami National Party (ANP) for its nationalist, secular and anti-extremism policies, in the course of which it has lost hundreds of activists and sympathisers," the commission said.

Heeding the lessons

Referring to previous bouts of terrorist attacks that had targeted a few political parties and others had not responded strongly, thinking that they were safe as long as they did not upset the terrorist, HRCP has stated: "Pakistan will invite greater perils if the lessons of the latest wave of terrorism are not heeded. The fact that ANP is under extremists' attack should not make other political parties complacent. Their turn might also come and perhaps sooner than expected. All parties must therefore wholeheartedly join the struggle against terrorism. In particular, the KP government should reconsider its policy of weaning the extremists away from violence by offering them milk and honey."

The immediate response of the authorities was to shut down the schools, colleges and universities in most parts of the country. The educational institutions, which were initially closed in Punjab on the pretext of the harsh winter chill, were supposed to reopen once adequate security against such attacks was put in place.

One way such an approach was interpreted was as an acknowledgement of sorts that the terrorists could perhaps not be prevented from mounting attacks on educational institutions and for as long as that was the case security needed to be hiked to stop them outside the campuses they might target.

HRCP has emphasized that the emphasis should "shift from turning educational institutions into military garrisons to attacking the sources of threats. While the security forces' prompt response to the Charsadda attack is heartening, a critical reappraisal of the military operation against the terrorists cannot be deferred. This much is also clear from the Senate resolution on the subject. Above all, the National Action Plan will not yield the desired result without a crackdown on institutions and groups that train terrorists or help them otherwise."

Countering terror on campuses

The December 2014 attack on Army Public School (APS) in Peshawar was more than just the worst terrorist assault on Pakistan. It has often been referred to as a watershed moment, which brought unanimity in the resolve of the nation, and its security forces, in eradicating militant and terrorist elements of all hues.

'The emphasis should shift from turning educational institutions into military garrisons to attacking the sources of threats. While the security forces' prompt response to the Charsadda attack is heartening, a critical reappraisal of the military operation against the terrorists cannot be deferred.'

Credit is due for the efforts by the government, parliament and the security forces' action post-APS attack. This appears to have had some impact in reclaiming the writ of the state in large swathes, which had long served as safe havens for terrorists.

An attack on Bacha Khan University in Khyber Pakhtunkhwa's Charsadda district on 20th January 2016, however, demonstrated clear evidence that the terrorists retained the ability to target educational institutions and mow down the nation's youth who have chosen to pursue modern education that the terrorists disapprove of. The attack also called into question the effectiveness of Pakistan's drive to eradicate militancy and terrorism.

Déjà vu

At least four gunmen had scaled the walls of the university in Charsadda and opened fire on students and faculty members as they gathered for a poetry recital to commemorate the death anniversary of the activist and leader whom the school is named after. As many as 21 students and faculty members were killed. Many students were injured as well.

The mastermind of the APS attack, belonging to a faction of the banned Tehreek-e-Taliban Pakistan (TTP) claimed the attack through a post on a social media website.

the girl's family that they had been forgiven and should return to Mardan. When they returned, they were shot and killed. The male victim's brother registered a case against the accused.

• In June, a man murdered his 14-year old daughter in Umerkot over the suspicion that she was having an affair. He later surrendered to the police and confessed his crime, saying he had poisoned his daughter because she had blemished the family's honour by establishing 'immoral relations' with a neighbor.

• The same month in Ghotki, a man shot and killed his sister over suspicion that she was having an affair with a relative. However, the victim's family claimed that the perpetrator wanted to extract money from the opposing party through a jirga decision by accusing them of allegedly creating the circumstances that led to the woman's murder. The matter was taken to a jirga, which decided to impose a 0.6 million rupees fine on the victim's alleged paramour.

• In June, a man in Multan threw gasoline on his wife while she slept, burning her to death, because he believed that she was having an affair. The accused was arrested but was released later after a compromise was reached between him and the family of the deceased, which intimated the police that they wished to withdraw the case.

• In Abbotabad, in July, a man shot and killed his sister and a man he suspected she was having an affair with. The perpetrator believed that they had been texting each other, and used her phone to send a text message to the male victim, asking him to come to a place where he shot him dead and then gunned down his sister. The perpetrator later went to the police station and confessed his crime.

• In Bannu, in the month of July, a woman whose husband was abroad and who was living at her parents' house was gunned down by one of her brothers, for allegedly using her mobile phone to have an affair. The perpetrator fled after killing her. Her other brother told the police that his brother had fired at him in a fight and the bullet had accidentally hit his sister. A case was registered on a complaint by the family.

• In Jamshoro, in July, a woman was gunned down by her father-in-law and uncle after she had sought a divorce from her husband. They said she was seeking a divorce because she had an affair. Both perpetrators were arrested.

• In August, members of Aliabad village in Hunza-Nagar threatened a woman's family for supporting her to marry a man of her choice. The woman had married a boy with the blessing of his mother and uncle but the extended family did not agree to the union. They forced the bride's father to divorce his wife and send her back to her parents' home and beat his other daughters. The youngest daughter had to discontinue her studies due to the harassment.

• In Dera Ismail Khan, in the month of September, a man shot his ex-wife, her husband and their 11-year-old daughter. The daughter was killed while the ex-wife and husband sustained injuries. The couple had divorced two years ago and she had taken their daughter with her. The perpetrator was angry over his ex-wife's decision to remarry.

The list of cases seems unending, but these should suffice to facilitate an understanding of the perils women face for having a say in marriage decisions, and often simply because someone in their family has a suspicion, however unfounded, that they are having an affair. This particular category of rights violation is a particularly dangerous one for the monitors investigating the cases. Several HRCP monitors have been threatened by the victims' relatives with dire consequences if they reported or investigated the dishonour crimes.

In the circumstances, changes in the law that took place a decade ago are clearly not having any impact in curbing the dishonour crimes. It has been observed that law enforcement personnel also at times approve of perpetrators' actions that involve taking the law in their own hands to 'redeem family honour'. The situation calls for effective campaigns to raise awareness and understanding of human rights and sustained efforts to educate the general populace as well as the law enforcement and judicial officials. Without these measures being taken on priority, there is little hope of any significant reduction in the blood-letting in dishonour crimes.

• In Muzaffargarh, a woman, who had been living with her mother after being accused by her husband of having an affair, was killed by her husband on March 16 after she refused to return with him to their home. Her husband entered her mother's house and shot and killed her. He was arrested.

• In Badin district in March, a man threw bricks at his wife, injuring her. According to the victim, her husband had disapproved of her opening a shop at home, owing to financial woes, and had accused her of having affairs with her customers. A complaint was filed with the police by the victim's family but no action was taken.

• In Buner, two girls from the same family in village Akhoon were shot dead by one of their cousins over the suspicion that they were having an affair. The girls had reportedly gone out of the house together and returned late at night. Their cousin allegedly suspected that they had gone to meet a man and opened fire on them, killing them. He escaped later. The father of one of the victims lodged a case against the perpetrator who was arrested by the police.

• In a village of Upper Dir, in March, a man killed his wife over suspicion that she had been having an affair because he had reportedly often seen her talking on her phone. The victim's brother informed the monitor that she had been living with her parents for a year due to frequent quarrels with her in-laws. Two days before the murder, the perpetrator had brought his relatives to her parents' house and assured her family that they would not quarrel anymore and she should return home. The victim had gone with her husband. Two days later, the perpetrator informed his father-in-law that his wife had consumed poison and died. When the father visited the couple's house, he learned that she had been hanged. A case was lodged against the accused, who was arrested.

• In a dishonour crime in Orakzai in March, a man killed his cousin for expressing her wish to marry a man of her choice. The family refused to provide information to the HRCP monitor and even threatened him to “stop interfering in personal matters of others”.

• In Bannu, in April, a woman was killed by her brother and uncle. The perpetrators claimed that the victim had committed suicide by shooting herself in the head. The post-mortem examination determined that the woman had been murdered. It was later revealed that the girl had been engaged to a cousin but wanted to marry another man. This had upset her brother and uncle who murdered her. The police registered a case against the two men, who were absconding.

• In Nowshera, also in the month of April, four brothers murdered their brother-in-law. Their sister had married him one year ago and the family had disapproved. Recently, they had assured her that the family approved of the marriage and the couple could visit them in Nowshera. When the couple visited the woman's parents, her brothers took the victim outside the house and shot and killed him. A case was registered against the four perpetrators.

• In Peshawar, in April, a man shot and killed his son-in-law and injured his daughter. The victims had married a year ago without the consent of the woman's family, and had been in hiding since then. The perpetrator and his accomplices found their home and attacked them. The injured woman lodged a case against her father but the perpetrators were yet to be arrested.

• In Naseerabad district, in May, a man strangled his 12-year-old daughter and shot and killed her alleged paramour and his brother. The perpetrator was a farmer and was reportedly going to his fields when he saw his daughter with a man. He, along with two relatives, beat the daughter and asked her who she was standing with. When she told them his name and that he was their neighbor, the man strangled her to death and went home to get his gun. When he came out, he found the alleged paramour was standing in the street. The perpetrator shot and injured the neighbor, who managed to run inside his house where his brother took him to the hospital on a motorbike. The perpetrator and his accomplices gave chase and shot both the brothers dead 20 km from Civil Hospital.

• On May 5, a man killed his sister and brother-in-law in Mardan. The couple had run away and married without the consent from the girl's family and after one month, they were contacted by

house when the said man was talking to someone on the phone. The perpetrator inquired who he was talking to on the phone and alleged that he was talking to the victim. When a quarrel erupted, the brother went inside the house and shot and killed his sister.

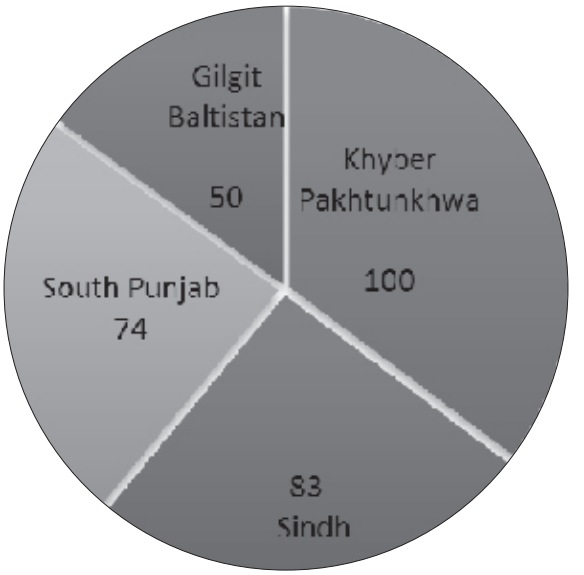

• In Bannu, a man apparently shot and killed a woman in January after she refused to marry his brother. The woman and the perpetrator's brother were engaged to be married. However, she had refused to marry him after he lost his eyes and feet in a road accident in Saudi Arabia, where he worked. No case was registered against the perpetrator as the woman's family said that she had committed suicide. However, a number of women in the locality had seen the perpetrator leave the victim's house immediately after they heard a gunshot.

• In Gilgit, a woman who had divorced her first husband and married another man went to visit her daughter's home in February. At night her two sons from her previous marriage along with four of her nephews dragged her out of the house and killed her with a knife for allegedly not having a good character and humiliating the family by remarrying. All perpetrators were arrested by the police.

• In Dera Ghazi Khan, a woman, whose husband suspected that she was having an affair with someone, got a divorce from him. In February, he entered her house and cut off her nose with a knife for daring to leave him. She was taken to a hospital and a case registered against the perpetrator.

• The same month, a woman in Muzaffargarh took shelter at a Darul Aman (women's shelter home) after her husband threatened to kill her for allegedly having an affair. When she was returning from a visit to her father's house, her brother and husband beat her to death. A case was registered against the perpetrators.

• In Upper Dir, a 17-year-old girl was killed by her fiancé. In February, in Chaper village, the victim visited the house of her maternal uncle to attend a wedding, unaccompanied by her family. The following day, her father received the news that she had died. Following a post mortem examination, the victim's father registered a case and accused the girl's fiancé and his brother of murdering her. The girl was a ninth grade student and had been engaged to marry one of the accused few years ago. The victim's father narrated that his daughter was taken outside her maternal uncle's home, electrocuted and her body burnt with acid. He believed that her fiancé had been incited by the driver of the victim's school bus. The bus driver used to tease the fiancé that the victim had better relations with him. The two men had allegedly argued some days earlier when the bus driver had apparently claimed that as proof of his influence over her, he would ask her to attend a wedding and she would oblige. The fiancé had said that he would forbid her from going. When she proceeded to attend the wedding, her fiancé killed her with the help of his brother. The victim's father claimed that the police were refusing to cooperate with them and had not made any arrests in the case, even though the whereabouts of the suspects had been shared with them on numerous occasions.

• In Orakzai Agency, in March, a man killed his wife after accusing her of having an immoral character. The couple had been married for 15 years. The villagers stated that the victim had visited a doctor's clinic without the perpetrator's approval, which had led to an argument and culminated in her murder.

The dishonour in the enduring blood-letting

The so-called honour crimes, euphemism for brutal violence against women by their family members for asserting their rights and daring to have a say in matters such as their marriage, have been a well-known phenomenon in Pakistan for many years now.

HRCP refers to such violence as 'dishonour' crimes, because it does not consider that there is any honour in killing a human being in an arbitrary manner.

Way back in 2004, amid civil society demands for appropriate measures to challenge this category of violence against women, Pakistan had considered it important to amend the criminal law. The Criminal Law (Amendment) Act 2004 made changes to the Pakistan Penal Code (PPC) and the Criminal Procedure Code (CrPC), defining for the first time 'honour' killings as murder with penal punishments.

Even a cursory glance at recent statistics demonstrates that the change in the law has not had the desired effect. According to statistics based on media monitoring by the Human Rights Commission of Pakistan (HRCP), as many as 437 cases of dishonour killing were reported from across the country in 2015. The statistics by Aurat Foundation depict that 432 women fell victim to dishonour killings in 2012, 705 in 2011, 557 in 2010, 604 in 2009 and 475 women in 2008.

There have also been attempts post-2004 to make the law more stringent. The most recent endeavor was the Anti-Honour Killings Laws (Criminal Laws Amendment) Bill 2014, which was adopted by the Senate in 2015. However, the bill lapsed after the lower house of parliament did not adopt it.

More focused monitoring by HRCP monitors in around 55 districts across six regions of Pakistan has highlighted that law and threats of punishment alone would not be enough to protect female citizens from random and brutal acts of violence in dishonour crimes.

Based on the findings of monitoring from the 55 odd districts, women appear to be most vulnerable to dishonour crimes in Khyber Pakhtunkhwa, Sindh, South Punjab and Gilgit Baltistan.

Dishonour crimes: high-incidence regions (selected districts) - 2015

Some of the dishonour crimes representative of the trends in the six regions during the course of last year demonstrate what the female victims face at the hands of their family members and why legal provisions alone might not help. All of the cases below are from the year 2015.

• In January, a 20-year-old woman in Mooladad village of Jacobabad was killed by her brother. She was married eight months earlier and her husband had started working as a labourer in Saudi Arabia six months ago. The victim's brother suspected that she was having an affair with a neighbor. On the day of the incident, the brother intercepted the neighbor on the street near his

Dishonour crimes in selected districts across six regions - 2015

Region	Jan	Feb	Mar	Apr	May	Jun	Jul	Aug	Sep	Oct	Nov	Dec	Total
Balochistan	0	0	0	0	0	0	0	0	0	0	2	2	4
Sindh	6	8	7	2	8	4	9	14	7	5	8	5	83
KP	5	4	8	10	6	6	14	6	10	14	11	6	100
South Punjab	1	8	6	5	10	5	6	8	8	4	5	8	74
FATA	0	0	1	1	1	1	1	2	1	3	0	0	11
Gilgit Baltistan	3	4	2	4	1	5	2	7	7	3	6	6	50
Total	15	24	24	22	26	21	32	37	33	29	32	27	322

for replication and promotion of harmony. It was also stated that space could be created by talking about commonalities among people and separating cultural aspects linked to religion. Experts said that fair and accurate reporting should entail the perspectives and views of all sides. Issues should stress the constitutional rights of minorities as equal citizens of state and not as minorities, which could result in highlighting them as exceptional citizens.

- **Competitive rating system**

The participants also argued that the rating system of TV channels in the country did not allow proper coverage of issues of interfaith tensions as it led to competition. It was suggested that efforts should be expanded to review the rating system, which would reduce the pressure on journalists to report negatively or in a sensationalized manner or leave issues unreported.

The workshop manifested that media experts from across the country understood that media's role in interfaith issues needed to improve and provided meaningful strategies for developing appropriate responses. Several media stakeholders have some form of a code of conduct but what is needed is a clearer understanding of a minimum standard required and consistent adherence to the same.

Hate speech, media's role and a model code of conduct

The Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) organised a consultation on the 22st of January 2016 to understand the prevalent standards with a view to countering faith-based hate speech through the print, electronic and social media. The consultation also aimed to brainstorm ideas for developing a model code of conduct to check hate speech through the news media. Representatives of key media stakeholders from across the country including Pakistan Electronic Media Regulatory Authority (PEMRA), Pakistan Broadcasters' Association (PBA) Council of Pakistan Newspaper Editors (CPNE), All Pakistan Newspapers Society (APNS), Press Council and Pakistan Federal Union of Journalists (PFUJ) participated in the consultation.

The participants discussed the challenges of understanding what constituted hate speech. It was highlighted that there was no accepted international definition of hate speech and the tolerance levels of speech varied dramatically from country to country. Experts agreed that the grey area between defamation and blasphemy was hate speech, which means it was an aggravated form of defamation.

The participants agreed that journalists must take into consideration the wider context in which people expressed themselves. They must focus not just on what was said, but what was intended in order to assess whether speech aimed to do others harm, particularly when there was a threat of immediate faith-based violence.

The detailed model code of conduct is being developed in light of the deliberations. Some key points of the model code of conduct for reporting faith-based violence and combating hate speech, discussed and endorsed by the stakeholders, are as follows:

Reporting faith-based violence

When covering developments, events or statements related to faith-based conflict or violence, media houses, newsrooms and journalists should exercise the following journalistic due diligence:

1. Support editorial independence and stronger self-regulation
2. Promote inclusivity and avoid exclusivity
3. Promote religious diversity within media
4. Raise awareness about religious pluralisms
5. Promote training and dialogue on minorities' issues

Guarding against hate speech

Media practitioners, including managers, reporters and editors, will guard against hate speech by considering the context and test any statements or speeches through the following guidelines:

1. Consider the status of the speaker
2. Consider the reach of the speech
3. Consider the objectives of the speech
4. Consider the form and content of the speech

Consider the general social and political climate

reporting had never been a priority for media organizations. He also shared an instance when media associations during a consultation to develop a code of ethics asserted that they followed an unwritten code of ethics, which was engraved in their hearts. Experts pointed out that the media needed to formulate a code of conduct to cover sensitive matters as precious lives depended on that. They also expressed concern that religious intolerance was growing in society and there was an urgent need to promote both interfaith and inter-sect harmony. They highlighted that it was growing increasingly difficult to discuss matters related to faith in the media amid an atmosphere of fear, insecurity and intolerance. "The division in society may further increase if the media does not form an effective code of conduct and follow it accordingly," said a senior journalist.

Fear, insecurity and self-censorship

Experts asserted that due to threats to personal security from extremist elements, journalists at times practice self-censorship and avoid newsworthy stories or hide certain facts that were considered dangerous to cover. It was also highlighted that sometimes it was difficult to report on issues of interfaith tensions because of a feeling of lack of protection, safety and security. There was a general agreement among the media experts that the climate of fear and insecurity particularly intensified in the case of the Ahmadi community. Journalists belonging to any particular religious minority community avoided reporting issues faced by her/his community and in many instances requested their colleagues belonging to the majority faith to report on those issues. Some participants shared instances where journalists had been labelled as western agents, for objectively reporting on issues of religious minorities. Such coverage became even more challenging for Pakistani journalists working for the foreign media.

Strategies to promote interfaith harmony

The experts argued that appropriate media responses to interfaith tensions could lead to religious intolerance being challenged and interfaith harmony strengthened. The deliberations provided a chance to look for practical ways of promoting thorough and unbiased reporting of interfaith issues with a view to fostering interfaith harmony.

- **Diversity in the newsroom**

An important recommendation was about the representation of religious minority groups in mainstream media. Media persons agreed that the issue of diversity was very important in the newsroom, however diversity was not always ensured. The participants highlighted that if reporters and sub-editors, belonging to diverse religious backgrounds, were hired, it could be a positive step in promoting interfaith harmony. A young journalist, belonging to a religious minority, argued that unless a reporter was fully immersed in the minority communities, s/he could not understand their structural differences and interactions and so there was a greater probability of making factual errors in the reports regarding issues of concern to religious minorities. She said that the reporting of a recent case of hate material in a major computer and accessories market in Lahore had aroused a combination of paranoia and insecurity among the Ahmadi community, which did not want the issue to be reported in the media as they feared that it could cause problems for them.

- **Breaking barriers**

The participants recommended that the media should also shed light on examples that helped break down barriers between different religious communities. In the town of Fatehpur, in Kasur district, Christians and Muslims share a graveyard. In the same town, a Muslim landlord has given land to the church. Participants were of the view that highlighting such examples in the media could provide space

Media's role in interfaith tensions

"I insisted that I want to go inside the chipboard-making factory in Jhelum to uncover the facts of the mob violence there on 20 November 2015, but the policemen standing there flatly refused to let me have a look inside. They went a step further: telling me that it was people like me who defamed Pakistan by needlessly highlighting issues of interfaith tensions." Thus spoke a journalist at a workshop organized by the Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) to discuss media's role in times of interfaith tensions and in fostering harmony. The workshop, held in Lahore on the 21st of January 2016, was attended by media persons from across the country, including several female journalists.

The journalist was sharing his experience regarding the challenges media persons faced in covering issues of interfaith tensions. He said that he had travelled from another city to Jhelum and it took him and his team hours of persuasion before the policemen budged and let them enter the factory. Following the narration, the participants expressed concern that when state institutions and agents developed subjective notions of what was appropriate it became complicated to uncover facts for reporting and highlighting sensitive issues related to religious minorities.

Challenges in coverage of interfaith tensions

Participants from across Pakistan had a consensus that media played a significant role in matters of religious tolerance, hate speech and interfaith harmony. They also highlighted that there were instances where the role of the news media had been positive, other occasions where media's response had been considered negative or reckless and at times the news media had been a silent spectator to interfaith tensions. A participant argued that the coverage of interfaith issues in English newspapers was extensive and regular, but considering the overall readership, it was predominantly preaching to the choir. Others expressed concern that to a large extent Urdu press and electronic media were suffering from the ostrich syndrome.

Participating journalists and representatives of religious minority communities shared specific instances of media's response to interfaith issues. It was highlighted that the news about the mob attack on the chipboard-making factory owned by an Ahmadi in Jhelum in November 2015 was either not covered by the media or covered in an ambiguous way. Coverage of this nature needed to be understood in its proper perspective, they suggested.

Another journalist recalled the stereotyped portrayal of religious minorities in a statement on a TV news channel after a blast outside a church in Peshawar in 2013. A news ticker that day had read: 'safai karney walon ka safaya ho gaya' (the cleaners have been cleansed). She voiced concern that there was no public apology after this appalling statement and it served as a disturbing example of sensationalism in reporting. She also pointed out that there was a lack of training of journalists in responsible and ethical reporting. The media experts recommended the inclusion of a human rights perspective in media persons' training on responsible reporting standards as "the need of the hour".

Gatekeeping: media responses and code of conduct

Media experts present on the occasion reviewed the checks in place for media responses to interfaith issues. The participants said that the institution of gatekeeping was largely missing in the print and electronic media. There was consensus among the media experts that editorial check was particularly absent from Urdu newspapers, while English newspapers too did not have very strong gatekeeping institutions. A prominent journalist said that training journalists in ethical standards and responsible

patrino
majka
māte
motina
mamangu
MATER
mor
February 21, 2016
International Mother Language Day
Words are a form of action, capable of influencing change.

International Covenant on Civil and Political Rights (ICCPR)

The minorities and indigenous people

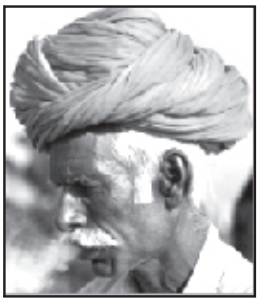

Article 2

1. Each State Party to the present Covenant undertakes to respect and to ensure to all individuals within its territory and subject to its jurisdiction the rights recognized in the present Covenant, without distinction of any kind, such as race, colour, sex, language, religion, political or other opinion, national or social origin, property, birth or other status.

Article 14

3. In the determination of any criminal charge against him, everyone shall be entitled to the following minimum guarantees, in full equality:

(a) To be informed promptly and in detail in a language which he understands of the nature and cause of the charge against him;

(f) To have the free assistance of an interpreter if he cannot understand or speak the language used in court;

Article 19

2. Everyone shall have the right to freedom of expression; this right shall include freedom to seek, receive and impart information and ideas of all kinds, regardless of frontiers, either orally, in writing or in print, in the form of art, or through any other media of his choice.

3. The exercise of the rights provided for in paragraph 2 of this article carries with it special duties and responsibilities. It may therefore be subject to certain restrictions, but these shall only be such as are provided by law and are necessary:

(a) For respect of the rights or reputations of others;

(b) For the protection of national security or of public order (ordre public), or of public health or morals.

Article 24

1. Every child shall have, without any discrimination as to race, colour, sex, language, religion, national or social origin, property or birth, the right to such measures of protection as are required by his status as a minor, on the part of his family, society and the State.

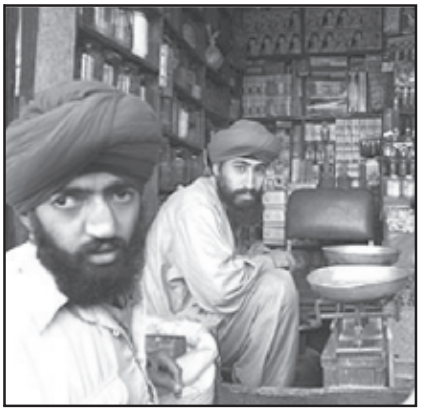

Article 26

All persons are equal before the law and are entitled without any discrimination to the equal protection of the law. In this respect, the law shall prohibit any discrimination and guarantee to all persons equal and effective protection against discrimination on any ground such as race, colour, sex, language, religion, political or other opinion, national or social origin, property, birth or other status.

Article 27

In those States in which ethnic, religious or linguistic minorities exist, persons belonging to such minorities shall not be denied the right, in community with the other members of their group, to enjoy their own culture, to profess and practise their own religion, or to use their own language.

Pictures: Internet

Human Rights Commission of Pakistan
جہد حق Monthly JEHD-E-HAQ

Monthly JEHD-E-HAQ - February 2016 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 23..... شمارہ نمبر 2 .....فروری2016..... قیمت 5روپے

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹائون، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر : مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15